ماہنامہ نصرۃ العلوم جنوری ۲۰۲۲ء

[جلد ۲۷، شمارہ ۱]

::: فہرست :::

حالات وواقعات --- ○ ---

مولانا زاہد الراشدی
شیخ الحدیث جامعہ نصرۃ العلوم

ترک صدر اور سودی نظام

روزنامہ اسلام لاہور ۲۲، دسمبر ۲۰۲۱ء کی ایک خبر ملاحظہ فرمائیں۔

انقرہ (مانیٹرنگ ڈیسک) ترک صدر رجب اردگان ایردوان نے شرح سود میں اضافے سے انکار کرتے ہوئے کہا ہے کہ میں وہ کروں گا جو دین کہے گا، غیر ملکی خبر رساں ایجنسی کے مطابق ترک صدر رجب طیب اردوان نے ایک بیان میں کہا ہے کہ مجھ سے شرح سود میں اضافے کی کوئی امید نہ رکھی جائے کیونکہ ایک مسلمان ہونے کے ناتے میں اسلامی تعلیمات کے تحت کام کرتا رہوں گا، واضح رہے کہ ترکی کی کرنسی لیرا میں گراوٹ ہو رہی ہے اور ان حالات میں ترک صدر سے شرح سود میں اضافے کا مطالبہ کیا گیا تھا، جس پر انہوں نے اعلان کیا ہے کہ شرح سود میں اضافہ نہیں ہوگا، ترک صدر کی جانب سے نئے مالیاتی نظام کے اعلان کے بعد دم توڑتے لیرا نے اونچی پرواز پکڑ لی ہے، ترک صدر کی جانب سے بینکوں میں پڑے ترک لیرے کی قدر و قیمت کی گارنٹی کا اعلان کیا گیا تھا جس کے بعد صرف چند گھنٹوں میں لیرا کی قدر میں ڈالر کے مقابلہ میں بیس فیصد سے زائد اضافہ ہوگیا، ترک صدر کی نئی مالیاتی پالیسی کے تحت اکاؤنٹ ھولڈرز کو لیرا میں کرنسی رکھنے پر ڈالر ایکسچینج ریٹ پر تحفظ فراہم کیا گیا ہے، ترکش لیرا کی ڈالر کے مقابلہ میں گراوٹ کو بینک کور کریں گے اور بینک ڈیپازٹ تاریخ کے مطابق فرق اکاؤنٹ ھولڈرز کو دیا جائے گا۔

سود کے بارے میں اس بات پر اب ماہرین کا کم و بیش اتفاق دکھائی دے رہا ہے کہ سودی معیشت دنیا کے معاشی نظام اور ماحول میں عدم توازن اور افراط و تفریط کا باعث بنی ہے جس کی وجہ سے غریب اور امیر اقوام وممالک اور طبقات میں تفاوت بڑھتا جا رہا ہے، جس کا حل سودی سسٹم کو ریورس گیئر لگانے کی صورت میں ہی ہوسکتا ہے، ورلڈ بینک کے ایک سابق ڈائریکٹر کے انٹرویو کے حوالہ سے ہم پہلے کسی موقع پر لکھ چکے ہیں کہ معیشت میں ہوش ربا تفاوت کو ختم کرنے اور توازن پیدا کرنے کے لیے ان کے خیال میں شرح سود کو کم سے کم کرنا ضروری ہے جس کی انہوں نے ایک سوال کے جواب میں ''زیرو'' بتائی تھی اس کے ساتھ ہی سودی نظام غریب اقوام وممالک کو عالمی استعماری

قوتوں کے معاشی شکنجے میں جکڑنے کا ایک مکروہ جال بھی ہے جس کے ذریعہ غریب ممالک کو استعماری پالیسیوں کے سامنے سرنڈر ہونے پر مجبور کیا جا رہا ہے اور اس کی تازہ ترین مثال افغانستان ہے جس سے فوجی انخلاء سے قبل امریکہ نے اس بات کا اہتمام کر لیا تھا کہ خود اس کے دور کے ملازمین کی آٹھ ماہ کی تنخواہیں واجب الاداء تھیں جبکہ افغانستان کی مغربی بینکوں میں بڑی رقوم کو منجمد کر دیا گیا ہے، اور امارت اسلامی افغانستان کی حکومت کو تسلیم نہ کر کے افغانستان کے لیے بیرونی تعاون وامداد کے قانونی ذرائع مسلسل بند رکھے جا رہے ہیں جس کا اس کے سوا کیا مطلب ہو سکتا ہے کہ افغان قوم کی ہر طرف سے معاشی جکڑ بندی کر کے اسے امریکہ اور یورپی یونین کے عالمی اور علاقائی ایجنڈے کو تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا جائے جس میں عقیدہ وثقافت سے دست برداری بھی شامل ہے، یہی حربہ اسلامی جمہوریہ پاکستان سمیت بہت سے مسلم ممالک کے خلاف ایک عرصہ سے آزمایا جا رہا ہے اور خود ترکی بھی کم وبیش پون صدی تک اس جال میں رہ چکا ہے۔

بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح مرحوم نے اسی صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے اسٹیٹ بینک آف پاکستان کی افتتاحی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے اپنی وفات سے چند ہفتے قبل یہ ہدایت کی تھی کہ پاکستان کا معاشی نظام مغربی فلسفہ اور اصولوں پر نہیں بلکہ اسلامی تعلیمات پر استوار کیا جائے اور اس موقع پر انہوں نے یہ بھی واضح کیا تھا کہ مغربی معاشی نظام نے انسانیت کو تباہی اور جنگوں کے سوا کچھ نہیں دیا مگر قائداعظمؒ کی ہدایات کو نظرانداز کرتے ہوئے ہمارے ارباب حل و عقد نے ملک کے معاشی نظام کو مغربی فلسفہ اور عالمی اداروں کے کنٹرول میں دے دیا جس کا نتیجہ آج ہمارے سامنے ہے کہ ہم بحیثیت قوم عالمی مالیاتی اداروں بالخصوص آئی۔ایم۔ایف کے آگے ''ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم'' کی تصویر بنے ہوئے ہیں اور گورنر پنجاب کے بقول آئی۔ایم۔ایف نے قرضوں کے عوض ہم سے ہمارا سب کچھ لکھوا لیا ہے۔

عالمی مالیاتی اداروں اور مغرب کے معاشی نظام کے شکنجے سے نکلنے کی بات اس سے قبل ملائیشیا کے سابق وزیر اعظم مہاتیر محمد بھی کر چکے ہیں اور جس کے لیے انہوں نے طریق کار اور ترتیب بھی پیش کی تھی مگر مسلم حکومتوں نے اس طرح توجہ دینے کی زحمت ہی نہیں کی اور اب اس تناظر میں ترک صدر رجب طیب اردوان نے سودی نظام کی خرابیوں کی طرف اسلامی تعلیمات کے حوالہ سے توجہ دلائی ہے جو پورے عالم اسلام خصوصاً مسلم حکومتوں کی سنجیدہ توجہ کی مستحق ہے، ہم سمجھتے ہیں کہ مغرب کے معاشی نظام کی تباہ کاریوں اور اسلام کے معاشی اصولوں کی افادیت کے بارے میں قائداعظم محمد علی جناح مرحوم، ڈاکٹر مہاتیر محمد اور ترک صدر رجب طیب اردگان کی باتوں کی طرف توجہ دیے بغیر ہمارے لیے اب اور کوئی چارہ کار نہیں رہا جس کی مسلم دنیا کے حکمران طبقات سے تو کوئی توقع دکھائی نہیں دے رہی، مگر کیا ارباب فکر و دانش اور اصحاب دین وشریعت بھی ملک وملت اور دین و دانش کے اس ناگزیر تقاضے کو یکسر نظرانداز کر دینے کا فیصلہ کر چکے ہیں؟ اور کیا یہ بدقسمتی کی انتہا نہیں ہے؟

خطبہ جمعۃ المبارک (غیر مطبوعہ) --- ○ --- مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتیؒ
بانی جامعہ نصرۃ العلوم

تباہی کے دو اسباب حُبِّ مال اور حُبِّ جاہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ،اَمَّا بَعْدُ، فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِo بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِo

وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا، رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ، رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَo قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَo (یونس ـ ۸۸،۸۹)

اسلام کا قانونِ جنگ وصلح

محترم حاضرین و برادران اسلام!

اس وقت میں نے آپ کے سامنے سورۃ یونس کی دو آیات مبارکہ تلاوت کی ہیں، گیارہویں پارے کی یہ سورت لمبی سورتوں میں شمار ہوتی ہے جس کی کل ۱۰۹ آیات ہیں۔ اس سورت سے پہلے سورۃ التوبہ ہے اور اس سے پہلے سورۃ الانفال ہے، ان دونوں سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے اسلام کا قانون جہاد بیان فرمایا ہے کہ جب خدا کے دین کے نافرمانوں کے ساتھ جنگ وجدل کی نوبت آئے تو اس وقت مسلمانوں کو کیا کیا تدابیر اختیار کرنی چاہئیں، ان پر کن چیزوں کی پابندی ضروری ہو جاتی ہے اور کن چیزوں سے بچنا مسلمانوں کے لئے لازم ہو جاتا ہے ان دو سورتوں میں بعض ان غزوات کا ذکر بھی موجود ہے جو خود اللہ کے نبی کے زمانہ میں مسلمانوں کو پیش آئے، ان سورتوں میں غزوہ بدر کا ذکر ہے جو مسلمانوں کا اولین بڑا معرکہ تھا اور جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بے سروسامان قلیل تعداد کو اسلحہ سے لیس مشرکوں کی کثیر تعداد پر غلبہ عطا فرمایا تھا، ان سورتوں میں غزوہ تبوک کا ذکر بھی ہے جس میں حضور علیہ السلام

بہت بڑا لشکر لے کر گئے تھے، اللہ نے جہاد سے گریز کرنے والے منافقوں کا ذکر کر کے ان کی سخت مذمت بیان فرمائی ہے، غرضیکہ ان دو سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے قانون صلح و جنگ بیان کیا ہے اور جہاد کے متعلق ضروری احکام نازل فرمائے ہیں۔

مضامین سورۃ یونس

سورۃ یونس جس کی دو آیات میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہیں اس سورۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے زیادہ تر قرآن کریم کی طرف دعوت دی ہے پہلے توحید کی طرف توجہ دلائی ہے اور انسانوں پر واضح کیا ہے کہ تمام چیزوں میں تصرف کرنے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ چنانچہ سورۃ کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے الٓرٰ، تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ o یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت والی کتاب کی آیات ہیں اور پھر سورت کا اختتام بھی اسی مضمون پر ہوتا ہے وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ آپ اس چیز کا اتباع کریں جو وحی کی شکل میں آپ پر نازل کی گئی ہے، وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ o اور پھر صبر کر کے اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کا انتظار کریں اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

الغرض! سورۃ کی ابتدا اور انتہا وحی الٰہی کے ذکر کے ساتھ ہوئی ہے اور درمیان میں اس وحی الٰہی یعنی قرآن کریم کی حقیقت، اس کی حقانیت اور صداقت کو واضح کیا گیا ہے اور اس کے منکرین جو اس کو شاعری یا من گھڑت چیز کہتے ہیں، اُن کا رد اور شدید مذمت کی گئی ہے، بہرحال لوگوں کو دعوت الی القرآن دی گئی ہے، جو اس سورۃ کا خاص موضوع ہے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا مسئلہ بھی سمجھایا گیا ہے۔

سورۃ ھود کے ساتھ مناسبت

اس کے بعد والی سورۃ ھود میں نافرمان اقوام کی تباہی و بربادی کا حال بیان کیا گیا ہے اور اِن اقوام کو اِس دنیا میں دیئے جانے والے عذاب کا خوفناک منظر بیان کیا گیا ہے، اس لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سورۃ میں مذکورہ ہولناک مناظر پڑھ کر میں قبل از وقت بوڑھا ہو گیا ہوں، اس سورۃ میں منکرین قوموں پر اس دنیا میں پڑنے والی افتاد کے ذکر کے علاوہ قیامت کو پیش آنے والے حالات کا ذکر بھی ہے جنہیں پڑھ کر اور سن کر انسان پر دہشت طاری ہو جاتی ہے اور دہشت ایک ایسی چیز ہے جس سے انسان کے دل و دماغ پر غم اور پریشانی آتی ہے جس سے قبل از وقت بڑھاپا طاری ہو جاتا ہے، اسی لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اس سورۃ نے مجھے قبل از وقت بوڑھا کر دیا ہے۔

پیغمبر علیہ السلام کی ذات مبارکہ

سورۃ کی ابتدائی آیت میں اللہ تعالیٰ نے دعوت الی القرآن کے بعد فرمایا اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اس میں لوگوں کیلئے کونسی تعجب کی بات ہے کہ ہم نے وحی کی ہے، انہی میں سے ایک شخص کی طرف۔ اس سے مراد پیغمبر علیہ السلام کی ذات ہے جو کہ مکے کے عربوں خصوصاً قریش کی جانی پہچانی شخصیت ہیں، دیگر عرب قبائل بھی آپ کو اچھی طرح جانتے پہچانتے ہیں، آپؐ نے چالیس سال کی صاف وشفاف اور بے داغ زندگی انہی لوگوں میں گزاری ہے، یہ لوگ آپ کے اخلاق واطوار، معاملات کی شائستگی، سفر وحضرت میں لین دین کے معاملات کو اچھی طرح جانتے ہیں، ان کو علم ہے کہ آپ نے آج تک کبھی جھوٹ نہیں بولا، نہ کسی سے وعدہ خلافی کی ہے، نہ کسی کو دھوکہ دیا ہے، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ یکا یک خدا تعالیٰ پر جھوٹ بولنے لگے جس نے کبھی کسی انسان کے خلاف بھی کبھی کوئی خلاف واقعہ بات نہیں کی، اس کو تو عقل بھی تسلیم نہیں کرتی، مگر یہ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے بلکہ یہ شخص خود گھڑ کر پیش کر رہا ہے، اللہ نے آپ کی زبان سے کہلوایا فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ (یونس۔۱۶) اس سے قبل میں تم میں چالیس سالہ عمر گزار چکا ہوں۔ کیا تمہیں ابھی تک میری پاک وشفاف شخصیت کی سمجھ نہیں آئی؟

حضرت یونسؑ کی انفرادیت

یہ سورۃ اللہ کے ایک جلیل القدر پیغمبر حضرت یونس علیہ السلام کے نام سے منسوب ہے اور اس میں قوم یونس کا حال بھی بیان کیا گیا ہے، تاریخ انسانی میں قومِ یونس ایک واحد قوم ہے جس کے ساتھ ایسا واقعہ پیش آیا جو کسی دوسری قوم کے ساتھ پیش نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ جب کسی نافرمان قوم پر عذاب ظاہر ہو جاتا ہے تو وہ قوم عذابِ الٰہی سے بچ نہیں سکتی۔ قومِ یونس اس لحاظ سے منفرد قوم ہے کہ جس پر عذابِ الٰہی نمودار ہو گیا ہے، قوم نے خود مشاہدہ کر لیا اور ساری کی ساری قوم جس میں ہر اعلیٰ ادنیٰ شامل تھا، تائب ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر کے اُن سے درگزر فرمایا اور عذاب کو ٹال دیا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لَمَّا اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنَاهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ○ (یونس۔۹۸) جب وہ لوگ ایمان لا کر تائب ہو گئے تو ہم نے اُن سے دنیا کی زندگی میں رسوائی کا عذاب ہٹا دیا اور ایک لمبے عرصے تک دنیوی زندگی میں فائدہ اٹھانے کا موقع بھی دیا۔ یہ قوم کافی عرصہ تک ایمان کے ساتھ زندہ رہی، پھر جیسا کہ قانونِ قدرت ہے کہ اقبال کے بعد ادبار بھی آتا ہے،

عروج کے بعد زوال بھی آتا ہے، اس طرح لمبے عرصہ کے بعد قومِ یونس بھی زوال پذیر ہوگئی۔

قرآن پاک میں حضرت موسیٰؑ کا ذکر

علاوہ ازیں اس سورۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے صاحبِ کتاب پیغمبر موسیٰ علیہ السلام اوران کے بھائی اور پیغمبر ہارون علیہ السلام کا واقعہ بھی ذکر کیا ہے، آغازِ خطبہ میں، میں نے جو آیات مبارکہ تلاوت کی تھیں ان کا تعلق اسی واقعہ کے ساتھ ہے، موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے اللہ کے دین کی تبلیغ کرنے کی پاداش میں بہت تکالیف اٹھائیں، مگر اللہ نے اپنے پاک پیغمبروں کو صبر کرنے کا حکم دیا کہ جیسے بھی ناگوار حالات ہوں آپ برداشت کریں، اچھا انجام یقیناً نیکی والوں کا ہی ہوگا اور برائی والے ذلیل وخوار ہی ہوں گے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کی اپنی قوم بنی اسرائیل کی طرف مبعوث کیا تھا، وہ تو آپ پر ایمان لا چکی تھی سوائے اکا دکا آدمیوں کے جو بغاوت پر ہی جمے رہے، ان میں قارون نامی ایک شخص بھی تھا، یہ موسیٰ علیہ السلام کی اپنی قوم کا فرد تھا اور آپ کا قریبی رشتہ دار بھی تھا مگر خود غرضی اور لالچ کی وجہ سے فرعون کے ساتھ ملا ہوا تھا، اُس دور میں فرعون اور اس کی قوم عروج پر تھی، فرعون ایک طاقتور بادشاہ تھا، جس کا خاندان ایک زمانے سے مصر پر حکومت کرتا چلا آرہا تھا، جب فرعون نے بنی اسرائیل پر ظلم وستم کی انتہاء کر دی تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا، یہ سارے واقعات قرآن پاک میں موجود ہیں، جن کو اہل ایمان پڑھتے رہتے ہیں، سورۃ یونس کے علاوہ اگلی سورۃ ھود، سورۃ اعراف، سورۃ قصص اور دیگر بہت سی سورتوں میں موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان کشمکش کا ذکر ہے، کہیں تفصیل کے ساتھ یہ ذکر ملتا ہے اور کہیں اجمال کے ساتھ، تاہم قرآن پاک میں چھیالیس مرتبہ اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر کیا ہے۔

قوم نوح کی ہلاکت

اس سورۃ یونس میں جو بات بیان کی گئی ہے وہ فرعون اور اس کی حکومت کے آخری دور کی بات ہے، جبکہ موسیٰ علیہ السلام کو ان کے درمیان رہتے ہوئے کافی عرصہ گزر چکا تھا، اگرچہ کسی روایت سے اس عرصہ کا صحیح یقین تو نہیں ہوتا مگر یہ عرصہ چالیس سال سے زیادہ تھا، موسیٰ علیہ السلام فرعون کی حکومت میں رہتے ہوئے اللہ کا پیغام پہنچاتے رہے اور تکلیفیں اٹھاتے رہے، مگر فرعون اور اس کی قوم پر کچھ اثر نہ ہوا، بلکہ اُن کی خباثت میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا، بالآخر موسیٰ علیہ السلام کو اللہ کی بارگاہ میں اُسی طرح دعا کرنا پڑی جس طرح نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال تک پیغامِ حق لوگوں تک پہنچایا، مگر قوم ایمان نہ لائی تو بالآخر آپ نے اللہ کی بارگاہ میں دعا کی رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى

الْاَرْضِ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ دَیَّارًا o (نوح ـ۲۶) پروردگار! روئے زمین پر کسی کافر کو بھی زندہ نہ چھوڑ، اللہ نے آپ کی دعا قبول کی اور طوفان کے ذریعے تمام کافروں کو پانی میں ڈبو کر صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔ اللہ نے کم وبیش اسی ۸۰ کے قریب لوگوں کو بچا لیا جو ایمان لا کر آپ کی کشتی میں سوار ہو گئے تھے۔

نوح علیہ السلام نے نافرمانوں کی تباہی کے لیے یہی دلیل اپنے رب کے سامنے پیش کی تھی اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ یُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا یَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا o (نوح ـ۲۷) اگر تو ان کو چھوڑ دے گا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے، اور فاجر کافروں کو ہی جنم دیں گے۔

شکر اور ناشکری

تلاوت کردہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اپنے پروردگار کے سامنے دعا کرتے ہوئے یہی دلیل پیش کر رہے ہیں کہ مولا کریم! تو نے فرعون اور اُس کے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں زینت کے تمام اسباب اور مال ودولت عطا کیا ہے، رَبَّنَا لِیُضِلُّوْا عَنْ سَبِیْلِكَ تاکہ یہ بدبخت لوگوں کو تیرے راہِ راست سے گمراہ کریں۔ مطلب یہ کہ تو نے اِن لوگوں کو دنیا کا مال واسباب اس لیے تو نہیں دیا تھا تاکہ یہ لوگوں کو تیرے راستے سے بھٹکا دیں بلکہ یہ تو تُو نے اُن کو انعامات عطا کئے تھے، اور انعام یافتہ لوگوں پر لازم آتا ہے کہ وہ منعم کا شکر ادا کریں، مگر یہ بدبخت تیرا شکر ادا کرنے کی بجائے لوگوں کو گمراہ کر کے تیرے سیدھے راستے سے ہٹا رہے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کے مناظرہ میں بھی نمرود پر انعاماتِ الٰہی کا ذکر ہے۔ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهِیْمَ فِیْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ۔ (البقرہ ۲۵۸) کیا آپ نے اُس شخص (نمرود) کو نہیں دیکھا جو ابراہیم علیہ السلام سے رب تعالیٰ کے بارے میں جھگڑا کرتا تھا، اُسے اللہ تعالیٰ نے سلطنت عطا کر رکھی تھی، نمرود کیلئے بھی لازم تھا کہ وہ حکومت جیسی نعمت پا کر اللہ کا شکر ادا کرتا مگر اُس نے بھی ناشکری کا راستہ اختیار کیا، اُس نے غرور و تکبر میں مبتلا ہو کر خدا تعالیٰ کی الوہیت ہی کا انکار کر دیا اور اپنی الوہیت کا دعویٰ کرنے لگا۔

منعم علیہ پر یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنے منعم کا شکریہ ادا کرے۔ اللہ کا فرمان ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ o (ابراہیم ـ۷) اگر تم شکر کرو گے تو میں مزید عطا کروں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو یقیناً میرا عذاب بہت بڑا سخت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس قسم کے حالات درپیش تھے، اللہ مالک الملک کی الوہیت کا انکار کر کے اپنے

آپ کو اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى o (النّٰزعٰت ۔۲۴) سب کا رب کہنے والا فرعون بھی مصر کا مطلق العنان بادشاہ تھا۔ اللہ نے ہر قسم کی نعمتیں عطا کر رکھی تھیں مگر وہ شکر کرنے کی بجائے لوگوں کو معبودِ حقیقی سے ہٹانے کی کوشش کرتا تھا۔

موسیٰ علیہ السلام بالآخر فرعون اور اُس کی قوم کو سمجھا سمجھا کر تھک گئے۔ وہ اُن لوگوں کی طرف سے بالکل مایوس ہو گئے اور جان لیا کہ اب اِن میں سے کوئی بھی ایمان لانے والا نہیں ہے تو انہوں نے بھی فرعونیوں کے خلاف بددعا کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

دنیا کا مال وزینت

آغازِ خطبہ میں تلاوت کردہ آیات میں اسی بات کا ذکر ہے وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ رب العزت میں عرض کیا، اے ہمارے پروردگار! بے شک تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں زینت اور مال عطا کیا ہے۔ وَمَلَاَهٗ سے مراد فرعون کے وہ تمام حواری، درباری اور ہاں میں ہاں ملانے والے مراد ہیں جو اس کے مراعت یافتہ تھے، یہ آسودہ حال لوگ تھے جن کے پاس مضبوط حکومت، مال ودولت اور زیب وزینت کے تمام اسباب میسر تھے۔ اُس دور کے مطابق دنیوی آرام وآسائش کی جو بھی اشیاء ہو سکتی تھیں وہ سب اُن کو حاصل تھیں، جیسا کہ ملکہ سبا کے متعلق بھی قرآن میں موجود ہے کہ ہُد ہُد نے آ کر حضرت سلیمان علیہ السلام کو خبر دی اِنِّىْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ o (النمل ۔۲۳) میں نے ایک عورت (ملکہ سبا) کو اُن پر حکمران پایا ہے، اُسے ضرورت کی ہر چیز عطا کی گئی ہے، اور اُس کا تخت بھی بہت بڑا ہے، وہ لوگ سورج کی پوجا کرتے ہیں اور شرک میں مبتلا ہیں، وہ بدبخت رب العالمین کے آگے سجدہ ریز نہیں ہوتے۔

الغرض! حضرت نوح علیہ السلام کی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی نافرمانوں کی تباہی کے لیے اللہ کی بارگاہ میں دستِ سوال دراز کر دیا اور عرض کیا اے پروردگار! تو نے انہیں دنیا کی زینت اور مال ومتاع اس لئے تو نہیں دیا کہ یہ لوگوں کو تیرے راستے سے بھٹکا دیں، فرعون اور اس کے حواریوں کا یہی جرم تھا کہ انہوں نے حکمِ خداوندی کو ٹھکرا دیا، اللہ کے پاک نبی کا انکار کر دیا، اور آپ کی تحقیر وتذلیل کی، کہنے لگے یہ حقیر آدمی (موسیٰ علیہ السلام) ہمارے سامنے نبوت کا دعویٰ کرتا ہے، انہوں نے آپ کو معاذ اللہ کذاب کہا، معجزات کو جادو کہہ کر انکار کر دیا، آپ کو سخت تکالیف پہنچائیں اور بالآخر موسیٰ علیہ السلام نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھا دیے رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰى اَمْوَالِهِمْ اے

پروردگار! اِن بدبختوں کے مالوں کو ملیا میٹ کر دے، اِن کے سونے چاندی کو پتھروں کی صورت میں تبدیل کر کے اِن کو بے قدر بنا دے۔ وَاشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اور اِن کے دلوں کو مزید سخت کر دے فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ o اور یہ ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ دردناک عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں، پھر ایسا ہی ہوا، فرعون اور اس کے سرداروں کو عذابِ الٰہی کی آمد سے پہلے ایمان لانے کی توفیق نصیب نہ ہوئی بلکہ یہ سرکشی میں بڑھتے ہی چلے گئے۔

اس سے قبل موسیٰ علیہ السلام بارہا فرعونیوں کی عہد شکنی کا تجربہ کر چکے تھے، جب بھی اُن پر کوئی افتاد پڑتی تو موسیٰ علیہ السلام کے سامنے عرض کرتے کہ اپنے پروردگار کے روبرو دعا کریں کہ وہ یہ مصیبت ہم سے دور کر دے، ہم ایمان لے آئیں گے، مگر وہ مصیبت ٹل جاتی تو یہ کفر و شرک میں مزید پختہ ہو جاتے، اس مرتبہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کیا کہ اِن کے دل مزید سخت کر دے اور عذاب کی آمد سے پہلے انہیں ایمان لانے کی توفیق نہ عطا فرما، موسیٰ علیہ السلام کی یہ دعا بھی قبول ہوئی۔ آخر کار جب خدا کا عذاب آن پہنچا اور فرعون اور اس کے حواری ڈوبنے لگے تو فرعون کہنے لگا کہ میں ایمان لایا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، میں اُس خدائے واحد پر ایمان لایا جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے، اور میں مسلمانوں میں سے ہوں، مگر اللہ نے فرمایا آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ o (یونس۔۹۱) اب ایمان لاتا ہے حالانکہ اس سے پہلے سرکشی کرتا رہا اور مفسدوں میں داخل رہا۔

بہرحال اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کے جواب میں فرمایا قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا تم دونوں (موسیٰ اور ہارون علیہما السلام) کی دعا قبول کر لی گئی۔ دعا تو موسیٰ علیہ السلام نے ہی کی تھی جیسا کہ آیت کے آغاز میں وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَا ... مگر اللہ تعالیٰ نے قبولیت دعا کا ذکر کرتے وقت دونوں بھائیوں کا ذکر کیا ہے، دراصل موسیٰ علیہ السلام دعا کر رہے تھے اور ہارون علیہ السلام آمین کہہ کر اُس دعا میں شامل تھے۔ امام ابوبکر جصاصؒ نے اس آیت سے فاتحہ خلف امام کے مسئلہ میں استدلال کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ امام سورۃ فاتحہ پڑھتا ہے اور مقتدی آمین کہہ کر پوری دعا میں شریک ہو جاتے ہیں، لہٰذا امام کی تلاوت کردہ سورۃ فاتحہ سارے مقتدیوں کو کفایت کرتی ہے۔ اللہ نے فرمایا تم دونوں کی دعا قبول ہو چکی ہے، مگر اس کا نتیجہ اس کے لیے وقت معینہ پر ہی ظاہر ہوگا، لہٰذا جب وہ وقت آجائے گا تو سارے فرعون تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ اب آپ کے لیے نصیحت یہ ہے فَاسْتَقِيْمَا کہ تم دونوں صراط مستقیم پر قائم رہو وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ o اور بے علم، بے سمجھ اور بے عقل لوگوں کے

راستے پر قطعاً نہ چلیں بلکہ اپنی دعا کے نتیجے کا انتظار کریں لِكُلِّ شَيْءٍ جَعَلَ اللّٰهُ قَدْرًا۝ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے، جب وہ وقت آ جائے گا تو یہ لوگ ہلاک ہو جائیں گے، چنانچہ جب وہ مقررہ وقت آ گیا تو سارے فرعونی لشکر بمع فرعون غرقاب ہو گئے، تفسیروں میں تین سے تیرہ لاکھ فرعونیوں کا ذکر آتا ہے، جو پانی میں ڈوب کر ہلاک ہو گئے، اللہ نے کسی کو زندہ نہیں چھوڑا، البتہ فرعون کی لاش کو ساحل پر پھینک دیا تاکہ وہ نشانِ عبرت بن جائے اور کسی کو یہ شک نہ رہے کہ شاید فرعون زندہ بچ گیا ہو اور کسی دوسرے راستے سے پھر آ جائے گا۔

حرف آخر

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی دعا میں اسبابِ ضلالت کے طور پر مال اور اشیائے زینت کا ذکر کیا ہے جن کو پا کر لوگ راہِ راست سے بھٹک جاتے ہیں، اسی لیے مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ تباہی کے دو ہی سامان ہیں یعنی حبِ مال اور حب جاہ، مال سے محبت فطری ہے کیونکہ ضروریات زندگی کا انحصار مال پر ہی ہے، مگر یہ محبت اتنی زیادہ نہ ہو کہ انسان فرائض سے غافل ہو کر تباہی کے دھانے پر پہنچ جائے، اسی طرح جب کسی کے پاس جاہ اور اقتدار آ جاتا ہے تو وہ قانون کا محافظ بننے کی بجائے قانون کا مالک بن جاتا ہے اور اُسے اپنی خواہش کے مطابق چلاتا ہے اور یہی چیز اس کی تباہی کا باعث بن جاتی ہے، ایک مسلمان حاکم اسی لئے خلیفہ کہلاتا ہے کہ وہ اس کو حکم الٰہی کے مطابق نافذ کرنے کا ذمہ دار ہوتا ہے جبکہ قانون کا مالک خود احکم الحاکمین ہوتا ہے، دنیا میں صاحبِ اقتدار لوگوں کا حال ہمارے سامنے ہے، مسلمان حاکموں کی غلط کارگزاری کی وجہ سے ہی اُن پر تباہی آ رہی ہے، وزیر آباد کا واقعہ ایک زندہ مثال ہے کہ کینہ پرور دشمنوں نے لڑکی کی لاش کو قبر سے نکال کر اُس کے ساتھ بدمعاشی کی، مسلمانوں کے ماتھے پر یہ کس قدر ندامت کا داغ ہے، ہندوؤں نے اس واقعہ پر اس طرح تبصرہ کیا ہے کہ ہمارے نزدیک تو مرنے والا شخص عورت ہو یا مرد قابل تکریم ہے، ہم اس کو اسی لیے جلا دیتے ہیں تاکہ اس کی لاش کی تحقیر نہ ہو، نہلا دھلا کر کفن پہنانا اور پھر قبر میں دفن کرنا بھی مردے کے احترام ہی کا حصہ ہے مگر بعض مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ لڑکی کی لاش کو قبر سے نکال کر اُس کے ساتھ انتہائی قبیح سلوک کیا گیا ہے، اس قسم کی حرکت تو کوئی کافر، مشرک اور بے دین بھی نہیں کر سکتا خواہ وہ کتنا ہی ظالم کیوں نہ ہو، کیا انتقام لینے کا یہی طریقہ ہے؟ انتقام تو کسی شخص کی زندگی میں ہی لیا جا سکتا ہے، مرنے کے بعد تو معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہو جاتا ہے مگر یہاں مردہ لڑکی کے ساتھ کیا سلوک ہوا ہے۔ کیا ایسے واقعات اسلام کے راستے میں رکاوٹ نہیں بنتے؟ کیا ہم دنیا میں منہ دکھانے کے قابل ہیں؟ حکمرانوں کا فرض تھا کہ

ایسے معاملہ کا فوراً نوٹس لیتے اور ایسے واقعات کا تدارک کرتے، مگر حکومت کی بے حسی کی وجہ سے جلوس نکالے گئے، گولی چلی اور مزید تباہی آئی، اس کیس کا فیصلہ سنایا گیا مگر خدا جانے اس فیصلہ پر عمل درآمد بھی ہوتا ہے یا نہیں۔ مگر جب مال اور حب جاہ نے حکمرانوں کو مصلحتوں میں ڈالا ہوا ہے، کوئی بھی فیصلہ کرنے اور اس پر عمل درآمد سے پہلے اپنا مفاد دیکھا جاتا ہے، اپنی پارٹی کا لحاظ رکھا جاتا ہے اور اس طرح حقیقت سے آنکھیں بند کر لی جاتی ہیں، آج دنیا بھر میں مسلمان اسی لیے ذلیل وخوار ہو رہے ہیں کہ وہ غیر مسلم سپر طاقتوں کے حاشیہ بردار اور دست نگر بنے ہوئے ہیں، حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک تو یہ ہے الکفر ملة واحدة یعنی سارے کافر، مشرک، بے دین مسلمانون کے خلاف فردِ واحد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ امریکہ ہو یا برطانوی، روس ہو یا جرمنی، فرانس ہو یا کوئی دوسری بڑی طاقت سارے کے سارے مسلمانوں کے دشمن ہیں اور اہل ایمان کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ آپ دنیا بھر کے واقعات کو دیکھ لیں، ہر جگہ مسلمان ہی پس رہے ہیں مگر افسوس کی بات ہے کہ مسلمان پھر بھی انہی غیر مسلموں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہیں، اور انہی سے مدد کی امید رکھتے ہیں، اس وقت پانچ بڑی طاقتوں کے علاوہ امریکہ نے اسرائیل کو بھی یہ صلاحیت منتقل کر رکھی ہے، لیکن جب عراق یہ صلاحیت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے تو سب اس کے خلاف کاروائی کیلئے آمادہ ہو جاتے ہیں۔

جب تک مسلمان متحد ہو کر اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا نہیں سیکھیں گے، یہ اغیار سے مار کھاتے رہیں گے، اللہ تعالیٰ مسلمان حکمرانوں کو سمجھ عطا کرے۔

چند اہم دینی مسائل

(س۱) چھوٹے جانور کو ذبح کرتے وقت کی تکبیر پڑھنی چاہئے، کیا یہ تکبیر گولی چلانے سے پہلے پڑھنی ضروری ہے؟

(ج) ذبح کی تکبیر تو ہر قسم کے جانور کیلئے ایک ہی ہے یعنی بسم اللہ اللہ اکبر، البتہ بندوق کی گولی چلانے سے متعلق مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی جانور کو لگ جائے تو اسے پکڑ کر ذبح کرنا اور ذبح کرتے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہنا ضروری ہے، اگر ایسا جانور اسلامی طریقے سے ذبح نہیں کیا گیا، تو حلال نہیں ہے بلکہ مردار شمار ہوگا۔ ہاں تیر چلاتے وقت اگر بسم اللہ اللہ اکبر کہہ لیا جائے اور وہ تیر جانور کو لگ جائے تو پھر ذبح کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جانور حلال ہوگا۔

(س۲) کیا پختہ قبر بنانا درست ہے؟ پیدائش سے پہلے انسان کی روح کہاں ہوتی ہے؟

(ج) قبر کو پختہ بنانا اور قبر پر گنبد تعمیر کرنا ہرگز جائز نہیں بلکہ حرام ہے۔

پیدائش سے پہلے اور مرنے کے بعد روح کہاں ہوتی ہے، یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے تاہم اگر آپ فلسفیانہ طور پر بات سمجھنا چاہتے ہیں تو پھر کسی فارغ وقت میں مجھ سے مل لیں، میں سمجھا دوں گا۔ اس کیلئے کافی وقت درکار ہے جس کے لیے آپ کو قربانی دینا ہوگا۔

(س۳) اگر کعبہ شریف کے خلاف سفر کر رہے ہوں تو کیا گاڑی میں نماز ادا کر سکتے ہیں؟

(ج) بھائی! چلتی گاڑی میں قبلہ رخ ہونا ضروری ہے، ورنہ نماز نہیں ہوگی۔

(س۴) کیا کسی مرنے والے کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی جاسکتی ہے؟

(ج) غائبانہ نماز جنازہ صرف اُسی صورت میں روا ہے کہ جبکہ مرنے والا کسی ایسے مقام پر فوت ہوا ہو جہاں اس کی نماز جنازہ ادا نہ کی گئی ہو۔ اگر کسی میت کی ایک دفعہ نماز جنازہ پڑھی جا چکی ہے تو دوبارہ غائبانہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے، اگر چند آدمی بھی ادا کر لیں تو تمام مسلمانوں کی طرف سے ادا ہو جاتی ہے۔

(س۵) کیا خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ پڑھنا درست ہے؟

(ج) خودکشی کرنے والے مسلمان کی نماز جنازہ پڑھنا درست ہے، تاہم اس فعل کی قباحت کے پیش نظر نماز جنازہ کوئی اہم شخصیت یا بڑا امام نہ پڑھائے تاکہ خودکشی کے فعل کی مذمت ظاہر ہو۔

دعائیہ کلمات

بعض حضرات نے فوت شدگان کیلئے مغفرت اور بعض بیماروں کی صحت کیلئے دعا کی درخواست کی ہے، سب حضرات دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ تمام مسلمان فوت شدگان کو معاف فرمائے، اور جتنے مسلمان بیمار ہیں اللہ تعالیٰ سب کو تندرستی عطا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین حق کو سمجھنے اور اس پر کاربند ہونے کی توفیق بخشے اور سب کا خاتمہ ایمان پر فرمائے۔

سبحانك اللّٰهم وبحمدك اشهد ان لا اله الا انت استغفرك واتوب اليك۔

(تاریخ خطبہ ۶ مارچ ۱۹۸۷ء)

مولانا محمد فیاض خان سواتی

شوقِ مطالعہ

سلطان محمود غزنویؒ کی حمایتِ مظلوم کا عبرتناک واقعہ

جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰن ایم اے ناظم دارالمصنفین اعظم گڑھ انڈیا رقمطراز ہیں۔

''ایک رات سلطان محمود غزنوی (المتوفی ۴۲۱ھ/۱۰۳۰ء) سو رہا تھا کہ یکا یک اس کی آنکھ کھل گئی، پھر لاکھ چاہا کہ دوبارہ نیند آجائے، مگر نیند کوسوں دور نکل چکی تھی، بستر پر تڑپتا اور کروٹیں بدلتا رہا، جب کسی طرح آنکھ نہ لگی تو اس خدا ترس بادشاہ کو خیال آیا کہ شاید کوئی مظلوم فریاد لایا ہے، یا کوئی فقیر بھوکا آیا ہے، اس لئے اس کی نیند اچٹ گئی ہے، غلام کو حکم دیا باہر جا کر دیکھو کون ہے، غلام نے باہر جا کر دیکھا تو کوئی نہ تھا، واپس آ کر کہا ''جہاں پناہ! کوئی شخص نہیں''، محمود نے پھر سوچا کہ سو رہے، مگر نیند نہ آنی تھی نہ آئی، وہی بے چینی اور گھبراہٹ پیدا ہوگئی، غلاموں کو دوبارہ کہا ''اچھی طرح دیکھ آؤ کون دادخواہ آیا ہے'' غلام دوڑے ہوئے گئے، اِدھر اُدھر دیکھا اور واپس آ کر بولے ''حضور کوئی نہیں ہے'' سلطان کو شبہ ہوا کہ شاید غلام تلاش کرنے سے جی چراتے ہیں، غصہ میں خود کھڑا ہوا اور تلوار ہاتھ میں لئے ہوئے باہر آ گیا، بہت تلاش کی، مگر کوئی شخص نظر نہ آیا، قریب ہی ایک مسجد تھی، اس کے دروازہ پر آ کر اندر کی طرف جھانکا تو آہستہ آہستہ کسی کے رونے کی آواز آئی قریب پہنچ کر دیکھا تو ایک شخص فرش پر پڑا ہوا نظر آیا، اس کا منہ زمین سے لگا ہوا تھا، آنکھوں سے آنسو جاری تھے، آہیں بھر رہا تھا اور چپکے چپکے کہہ رہا تھا

اے کہ از غم نہ دیدۂ خواری
از غمِ ما کجا خبر داری

خفتہ ماندی چو بختِ ما ہمہ شب
تو چہ داری زرنجِ بیداری

پھر کہنے لگا کہ سلطان کا دروازہ بند ہے تو کیا، سبحان کا دروازہ تو کھلا ہوا ہے، اگر محمود ولی سو رہا ہے تو ہرج نہیں،

معبود ازلی تو جاگ رہا ہے۔

محمود یہ سن کر اس کے بالکل قریب پہنچ کر بولا محمود کی شکایت کیوں کرتا ہے، وہ تو ساری رات تیری تلاش میں بے چین رہا، بتا تجھے کیا تکلیف ہے؟ کس نے ستایا ہے؟ کہاں اور کس غرض سے آیا ہے؟ یہ سن کر وہ شخص اٹھ کھڑا ہوا اور پُھوٹ پُھوٹ کر روتا ہوا بولا''حضور! ایک درباری کے ہاتھوں ستایا ہوا آیا ہوں، مگر اس کا نام نہیں جانتا، اس نے میری عزت خاک میں ملا دی ہے، آدھی رات کو مستی کے عالم میں میرے گھر آتا ہے اور میری شریک زندگی کی عصمت کو داغدار کرنے کی کوشش کرتا ہے، اگر آپ نے اس تلوار کی آب سے اس داغ کو نہ دھویا تو کل قیامت کے دن میرا ہاتھ ہوگا اور آپ کا گریبان، یہ سن کر محمود کو مذہبی غیرت اور شاہی حمیت کے جوش سے پسینہ آ گیا، غصہ سے کانپتی ہوئی آواز میں بولا''بتا کیا اس وقت بھی وہ ملعون وہیں ہوگا؟''اس شخص نے جواب دیا''اب تو بہت رات گزر چکی ہے، شاید چلا گیا ہو، لیکن مجھے ڈر ہے کہ وہ پھر آئے گا''سلطان نے کہا''اچھا اس وقت تو جاؤ، مگر جس روز جس وقت وہ آئے مجھے اطلاع کرو''اس شخص نے سلطان کو دعا دی اور رخصت ہو کر چلا ہی تھا کہ سلطان نے ٹھہرنے کا حکم دیا اور پہرہ داروں سے کہا کہ''دیکھو یہ جس وقت بھی آئے خواہ میں سوتا ہوں یا جاگتا ہوں، فوراً اس کو مجھ تک پہنچاؤ'' اتنا کہہ کر محمود اندر آیا، اور وہ شخص اپنے گھر چلا گیا۔

تیسری رات وہ شخص شاہی محل سرا کے دروازہ پر پہنچا، پہرے داروں نے اس کی شکل دیکھتے ہی سلطان کی خدمت میں پہنچا دیا، سلطان جاگ رہا تھا، تلوار لے کر اٹھ کھڑا ہوا اور بولا چلو! راتوں کو اس شکار کرنے والی لومڑی تک مجھے لے چلو، یہ سن کر وہ شخص آگے ہولیا، اور سلطان اس کے پیچھے پیچھے روانہ ہوا، گھر پہنچ کر اس شخص نے سلطان کو وہ جگہ بتائی جہاں وہ ظالم شخص خزانہ کا سانپ بنا ہوا سو رہا تھا، سلطان نے تلوار کا ایک بھرپور ہاتھ ایسا جمایا کہ تمام فرش پر انصاف کا لالہ زار کھل گیا، اس کے بعد سلطان مڑا اور مظلوم صاحب خانہ کو بلا کر فرمایا''اب تو محمود سے خوش ہوا''یہ کہہ کر محمود نے مصلیٰ منگوایا اور ایک طرف بچھا کر دو رکعت شکرانہ کی نماز پڑھی، پھر اُس شخص سے مخاطب ہو کر پوچھا''گھر میں کچھ کھانے کو ہو تو لاؤ''اس شخص نے جواب دیا''ایک چیونٹی سلیمان کی کیا خاطر کر سکتی ہے، جو کچھ ہے حاضر کرتا ہوں''یہ کہہ کر دستر خوان ڈھونڈھ کر سوکھی روٹی کے کچھ ٹکڑے لئے ہوئے آیا، اور سلطان کے سامنے رکھ دیئے، سلطان نے اس درجہ رغبت اور شوق سے یہ ٹکڑے کھائے کہ شاید عمر بھر کوئی لذیذ غذا اس طرح نہ کھائی ہوگی، کھانے سے فارغ ہو کر سلطان نے اس شخص سے کہا، معاف کرنا میں نے تمہیں کھانے کے لیے تکلیف دی، لیکن

سنو! بات یہ ہے کہ جس روز تم ملے اور اپنا دکھڑا سنایا، اس وقت میں نے قسم کھائی تھی کہ جب تک اس خبیث کے سر کو اس کے شانے سے جدا کر کے تمہارے گھر کو پاک نہ کر دوں گا، رزق کو حرام سمجھوں گا، پھر دو رکعت نماز میں نے شکرانہ میں پڑھی، جس پر تم حیران ہو رہے ہو گے، لیکن سنو! اس شخص کے متعلق مجھے اندیشہ تھا کہ میرے بیٹوں میں سے کوئی ہوگا، میں اپنے دل میں کہتا تھا کہ میرے درباریوں اور مصاحبوں کو اتنی جرأت نہیں ہوسکتی کہ وہ میرے مزاج سے واقف ہوتے ہوئے ایسی حرکت کریں، میں جس قدر زیادہ سوچتا گیا اسی قدر میرا یقین بڑھتا گیا کہ اتنی بڑی گستاخی کی ہمت صرف بادشاہ کی اولاد ہو سکتی ہے، کیونکہ یہ عام طور پر غرور کے نشہ میں مست رہتے ہیں، چنانچہ میں تمہارے ساتھ یہاں اپنے کسی فرزند کو قتل کرنے کے ارادہ سے آیا تھا، جب میں نے صورت دیکھی تو معلوم ہوا کہ یہ میرا فرزند نہیں، کوئی غیر شخص ہے، اس لئے میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔''

(جوامع الحکایات ولوامع الروایات از سدید الدین محمد عوفی ورق ۹۴، قلمی نسخہ دار المصنفین نیز دیکھو اردو ترجمہ جلد اول شائع کردہ انجمن ترقی اردو ص ۱۴۱، ۳۸) (بزمِ رفتہ کی سچی کہانیاں ص ۱۳ تا ص ۱۶، طبع کراچی)

''پاکستان اپنی داخلی اور خارجی مشکلات سے نجات حاصل کر کے امن وسلامتی، ترقی واستحکام اور وحدت وخود مختاری کی حقیقی منزل ہمکنار ہو۔ اس کی خواہش تو ہم سب کرتے ہیں لیکن اپنے انفرادی اور اجتماعی رویوں کی اصلاح کا راستہ اختیار کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں۔'' [مولانا زاہد الراشدی]

مولانا زاہد الراشدی
جانشین امام اہل السنۃؒ

حلال وحرام کے دائرے اور حکمِ خداوندی

[۱۷، دسمبر ۲۰۲۱ء کو جامعہ رحمانیہ ماڈل ٹاؤن اسلام آباد میں جمعۃ المبارک کے اجتماع سے خطاب کا خلاصہ]

بعد الحمد والصلوٰۃ!

اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں عقیدہ اور عبادت کے بعد جس موضوع پر سب سے زیادہ توجہ دلائی ہے وہ حلال وحرام اور جائز وناجائز کے مسائل ہیں، یہ حلال وحرام کھانے پینے اور لباس کے معاملات میں بھی ہے، باہمی تعلقات وحقوق کے حوالہ سے بھی اور کلام وگفتگو کے دائرہ میں بھی ہے، آج اس کے بارے میں کچھ معروضات پیش کرنا چاہوں گا۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ جائز وناجائز کے یہ دائرے صرف اس زمین میں نہیں بلکہ زمین میں آنے سے پہلے جنت میں بھی تھے اور بعث بعد الموت کے بعد جنت اور دوزخ میں چلے جانے کے بعد بھی رہیں گے، قرآن کریم میں ہے کہ اللہ رب العزت نے حضرت آدم وحوا علیہما السلام کو زمین پر اتارنے سے پہلے جنت میں یہ کہہ کر ٹھکانہ دیا تھا کہ دونوں میاں بیوی جنت میں رہو اور بلا روک ٹوک جو چاہو کھاؤ مگر اس درخت کے قریب نہیں جانا یعنی جائز اور ناجائز کا فرق اس وقت بھی موجود تھا، اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ جب قیامت کے روز سب لوگ اپنے فیصلوں کے بعد جنت یا دوزخ میں چلے جائیں گے تو جنتیوں اور دوزخیوں میں مکالمہ ہوگا جس کے ایک مرحلہ میں دوزخ کے لوگ جنت والوں سے تقاضہ کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو پانی اور رزق عطا کیا ہے اس میں سے کچھ ہمیں بھی بھیجو تو جواب میں اہل جنت کہیں گے کہ ان اللّٰہ حرمھما علی الکافرین اللہ تعالیٰ نے یہ نعمتیں کافروں پر حرام کردی ہیں۔

دوسری بات یہ کہ حلال وحرام اور جائز وناجائز قرار دینے کی اتھارٹی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے دوٹوک

بات کی ہے کہ یہ اتھارٹی صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے کہ وہ جسے حرام قرار دے اسے کوئی حلال نہیں کر سکتا اور جسے حلال کہہ دے اسے کوئی حرام نہیں کہہ سکتا، حتیٰ کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے بارے میں قسم اٹھائی کہ میں شہد استعمال نہیں کروں گا، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''لم تحرم ما أحل اللّٰهُ لك ''جس چیز کو اللہ تعالیٰ حلال فرما رہے ہیں آپ نے اسے کیوں حرام کر دیا ہے؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ اگر حلال وحرام کے حوالہ سے کسی کو کوئی اختیار دیتا تو مخلوقات میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی اس کا مستحق نہیں تھا، مگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذاتی طور پر ایک حلال چیز کو استعمال نہ کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور کہا کہ حلال وحرام کا فیصلہ صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

بلکہ حلال وحرام کی اتھارٹی میں کسی اور کو شریک کرنے کو جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک کی ایک قسم فرمایا ہے، بخاری شریف کی روایت ہے کہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ قرآن کریم میں ایک جگہ ذکر ہے کہ عیسائیوں نے اتخذوا احبارهم ورهبانهم اربابا من دون اللّٰه اپنے احبار ورھبان کو اللہ تعالیٰ کے سوا رب بنالیا تھا حالانکہ ہم اسلام قبول کرنے سے قبل عیسائی تھے اور ہمارے ہاں ایسا نہیں ہوتا تھا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا تمہارے ہاں احبار ورھبان کو حلال کو حرام کرنے اور حرام کو حلال قرار دینے کا اختیار سمجھا جاتا تھا؟ انہوں نے کہا کہ ہاں یہ تو ہم سمجھتے تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''أربابا من دون اللّٰه'' کا یہی مطلب ہے۔

قرآن کریم نے مختلف مقامات پر اس کا ذکر کیا ہے کہ بہت سے لوگوں نے حلال وحرام کے اپنے اپنے دائرے بنا رکھے ہیں جو درست نہیں ہیں، آج کل بھی ہمارے فری اکانومی اور مارکیٹ اکانومی کے عنوان سے یہی ماحول ہے کہ جس چیز کو لوگ صحیح سمجھ لیں وہ جائز ہے اور جس چیز کو قبول نہ کریں وہ ناجائز ہے، یہ بات درست نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حلال وحرام کے دائرے کو کراس کرنے کی کسی فرد، گروہ یا قوم کو اجازت نہیں ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ کسی چیز کا حرام ہونا اس کے نقصان اور ضرر کی وجہ سے ہوتا ہے اور حلال ہونا اس کے نفع اور فائدہ کے باعث ہوتا ہے، مگر قرآن کریم نے اس کے علاوہ حلال وحرام کے اور اسباب بھی بیان کیے ہیں مثلاً رمضان المبارک میں افطاری یا سحری کے اوقات میں ایک چیز کا استعمال چند لمحے پہلے جائز

اور پھر ناجائز ہوتا ہے تو نہ چیز میں فرق پڑتا ہے نہ استعمال کرنے والے میں کوئی تبدیلی آتی ہے، صرف حکم بدلتا ہے کہ افطاری کے وقت سے پہلے استعمال کی اجازت نہیں تھی اس کے بعد اجازت مل گئی، اسی طرح سحری میں چند لمحے پہلے تک ایک چیز کھا پی سکتے تھے وقت ختم ہوتے ہی وہ ممنوع ہوگئی، جس کا مطلب یہ ہے کہ جائز یا ناجائز ہونے میں اصل علت حکم خداوندی ہے، چیز کا نفع نقصان ثانوی چیز ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایک جگہ ذکر فرمایا ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل پر کچھ چیزیں حرام قرار دیں جو حلال وطیب تھیں مگر بنی اسرائیل کو ان کے استعمال سے روک دیا اور فرمایا کہ ’’ذلك جزيناهم ببغيهم‘‘ یہ ہم نے ان کو سرکشی کی سزا دی تھی۔

جبکہ اس بات سے بھی انکار نہیں کہ بہت سی اشیاء کو ان کے ضرر اور نقصان کی وجہ سے حرام کیا گیا ہے، مثلاً شراب اور جوئے کے بارے میں فرمایا کہ ’’رِجۡسٌ‘‘ یہ گندگی ہے، شراب کے بارے میں کہا کہ یہ نشہ دیتی ہے، عبادات سے غافل کر دیتی ہے، اور باہمی جھگڑوں کا باعث بنتی ہے اسی طرح اور چیزوں کے بارے میں بھی ان کا نقصان بیان کیا گیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ حلال وحرام بھی اللہ تعالیٰ کے احکام میں سے ہیں جن میں کسی کو رد و بدل کا اختیار نہیں ہے اور اس کے لیے حرام کی جانے والی چیز کا نجس یا نقصان دہ ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ حلال وحرام کے اور اسباب بھی ہیں اور اس کی اصل علت اور بنیاد اللہ تعالیٰ کا حکم ہے وہ مالک الملک ہے وہ جسے حلال کر دے وہ قیامت تک حلال رہے گا اور جسے اس نے حرام کہہ دیا ہے وہ ہمیشہ حرام رہے گا۔

آج کل اس بات کو پیش نظر رکھنا بہت زیادہ ضروری ہے، اس لیے کہ یہ مغالطہ عام ہوتا جا رہا ہے کہ جائز و ناجائز ہونے میں صرف نفع اور نقصان ہی بنیاد ہے جس کا فیصلہ خود سوسائٹی نے کرنا ہے اور اسی بنیاد پر ہمارے دور میں حلال وحرام اور جائز و ناجائز کے دائرے تبدیل ہوتے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائیں، آمین یارب العالمین۔

[خطاب] مولانا محمد فیاض خان سواتی
[ضبط وترتیب] محمد حذیفہ خان سواتی

نیکی کا بدلہ زیادہ اور برائی کی سزا کم کیوں ہے؟

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى، خُصُوْصاً عَلٰى سَيِّدِ الرُّسُلِ وَخَاتَمِ الْاَنْبِيَآءِ، وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ نُجُوْمِ الْهُدٰى، اَمَّا بَعْدُ، فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِo

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا، وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَo

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ، وَبَلَّغَنَا رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ، وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ لَمِنَ الشّٰهِدِيْنَ وَالشّٰكِرِيْنَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

محترم حاضرین وبرادران اسلام وخواتین محترمات!

تلاوت کردہ آیت کا ترجمہ ومفہوم

میں نے آپ کے سامنے قرآن کریم آٹھویں پارہ میں سے ''سورۃ الانعام'' کی آیت نمبر ۱۶۰ تلاوت کی ہے، جس کی روشنی میں آج میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نیکی کا بدلہ زیادہ کیوں دیتے ہیں اور برائی کی سزا کم کیوں دیتے ہیں، سب سے پہلے اِس آیت کا ترجمہ اور مفہوم عرضِ خدمت ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ جو ایک نیکی لے کر آیا۔ یعنی اللہ کی بارگاہ میں دنیا سے ایک نیکی لے کر پیش ہوا، فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا اُس کیلئے دس گنا زیادہ اجر ہوگا۔ گویا ایک نیکی کا کم از کم اجر دس گنا ہے۔ یہ کم از کم ہے، زیادہ سے زیادہ کے متعلق اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ (البقرۃ۔۲۶۱) اللہ جس کیلئے چاہے جتنا بڑھا دے، تاہم کم از کم مقدار یہ ہے۔ اس کے برعکس وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ اور جو ایک برائی لے کر آیا فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا تو اس کو بدلہ نہیں دیا جائے گا مگر اسی کے مثل۔ یعنی اُتنا ہی، ایک برائی ہے تو بدلہ میں ایک ہی

سزا ملے گی، زیادہ نہیں ہوگی۔ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ اور وہ ظلم نہیں کیے جائیں گے۔ یعنی ان پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔

امت محمدیہؐ کے تین قسم کے لوگ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ دنیا ابتلاء اور آزمائش کیلئے بنائی ہے، نیکی اور برائی کو بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے آزمائش کیلئے ہی پیدا کیا ہے اور اس کو انجام دینے کیلئے انسان کو اختیار دیا ہے، اسی حوالے سے وہ امتحان لینا چاہتا ہے، اس لحاظ سے حضور نبی اکرمؐ کی امت کے لوگوں کی تقسیم تین طرح ہے، امام عبدالرحمٰن بن علی المعروف ابن جوزیؒ جن کی وفات ۵۹۷ھ میں ہوئی ہے، انہوں نے اپنی کتاب ''حفظ العمر و تنبیه النائم الغمر علی مواسم العمر'' میں اس کی صراحت کی ہے کہ امت کے لوگ تین قسم کے ہیں۔

ایک قسم کے لوگ وہ ہیں جن کو ''فائزین'' کہا جاتا ہے، یعنی کامیاب ہونے والے۔ یہ اپنی زندگی میں نیکی کو زیادہ انجام دیتے ہیں اور اکثر نیکی ہی کرتے ہیں، برائی کی طرف نہیں جاتے۔

دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جن کو ''خاسرین'' کہا جاتا ہے، یہ نیکی بھی کرتے ہیں اور برائی بھی کرتے ہیں، یعنی خلط ملط کرتے ہیں، نیکی کا موقع ہوا تو نیکی کر لی، برائی کا موقع ہوا تو برائی کر لی، ان کا شمار خاسرین یعنی خسارہ اٹھانے والوں میں ہوتا ہے۔

تیسری قسم کے لوگ وہ ہوتے ہیں جو صرف برائی انجام دیتے ہیں، نیکی نہیں کرتے، ان کو ''ھالکین'' کہتے ہیں، یعنی ہلاک ہونے والے۔

جزا وسزا کے حوالے سے امت محمدیہؐ پر خصوصی رحمتِ خداوندی

الغرض! ہماری امت کے لوگ ان تین قسموں کے ہی ہیں، فائزین، کامیاب ہونے والے کہ جن کے پاس نیکیاں ہی ہیں، برائیاں نہیں ہیں، دوسری قسم کے خاسرین ہیں کہ جن کے پاس نیکیاں بھی ہیں اور برائیاں بھی ہیں اور تیسری قسم کے ھالکین ہیں جن کے پاس صرف ہلاکت اور ناکامی ہے، نیکیاں نہیں ہیں، لہٰذا مجموعی تناسب سے امت کے لوگ برائیاں زیادہ انجام دیتے ہیں اور نیکیاں کم کرتے ہیں، اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ حضور نبی اکرمؐ کی امت پر خصوصی رحمت فرمانا چاہتا ہے، چنانچہ میں اس حوالے سے پہلے اس آیت کی تفسیر عرض کرنا چاہوں گا جو جناب رسول اللہؐ نے فرمائی، امام ترمذیؒ نے اپنی سنن ترمذی میں حضور نبی اکرمؐ کے جلیل القدر صحابی حضرت ابو ہریرہؓ کے حوالے سے یہ حدیث مبارکہ نقل کی ہے، حضرت ابو ہریرہؓ حضور نبی اکرمؐ کے صحابہ میں سے وہ صحابی ہیں جو سب سے

زیادہ حدیثیں بیان کرنے والے ہیں، ۵۳۷۴ احادیث انہوں نے جناب رسول اللہؐ سے براہ راست بیان کی ہیں، ان کو آپؐ کے ساتھ رہنے کا موقع کم ملا، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو یہ اعزاز بخشا، وہ جناب رسول اللہؐ سے یہ حدیث مبارکہ نقل کرتے ہیں جو دراصل حدیث قدسی ہے، ایک عام حدیث ہوتی ہے، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جو جناب رسول اللہؐ نے بیان فرمائی ہے، ایک حدیث قدسی ہوتی ہے، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ بات اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہوتی ہے اور الفاظ جناب رسول اللہؐ کے ہوتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں جناب رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی وَقَوْلُہُ الْحَقُّ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے اور اس کا فرمان سچ ہی ہوتا ہے۔ اللہ نے خود بھی فرمادیا کہ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیْلًا۔ (النساء۔۱۲۲) بات میں اللہ سے زیادہ سچا کون ہوگا۔

آگے تلاوت کردہ آیت مبارکہ کی تشریح میں جناب رسول اللہؐ نے فرمایا، اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں اِذَا ھَمَّ عَبْدِیْ بِحَسَنَۃٍ جب میرا کوئی بندا ایک نیکی کرنے کا ارادہ کرتا ہے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرشتوں سے کہتے ہیں کہ اس کی ایک نیکی لکھ لو، یہ صرف ارادہ کرنے پر ہے، لیکن جب وہ نیکی جس کا اس نے ارادہ کیا جب اس کو انجام دیتا ہیں اور عمل میں لے آتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرشتوں سے کہتے ہیں کہ اس کیلئے اس ایک نیکی کے بدلے میں دس گنا اجر لکھو۔ یہ میں نے کم از کم درجہ بتایا ہے، بعض نیکیوں کا سات سو گنا بھی ہے اور وَاللّٰہُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ قرآن کریم میں موجود ہے۔

اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ جناب رسول اللہؐ نے ہی فرمایا، حدیث قدسی کے حوالے سے کہ اِذَا ھَمَّ عَبْدِیْ بِسَیِّـئَۃٍ جب میرا کوئی بندہ برائی انجام دینے کا ارادہ کرتا ہے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرشتوں سے کہتے ہیں کہ اس کو مت لکھنا، غرضیکہ اُن کو روک دیتے ہیں، لیکن اگر کوئی آدمی برائی کا ارادہ کرنے کے بعد وہ برائی سرانجام دیتا ہے، اس کو عمل میں لے آتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرشتوں سے کہتے ہیں کہ اس کی ایک برائی کے بدلے میں ایک ہی لکھو۔ نیکی میں کہا تھا دس گنا لکھو، یہاں کہا صرف ایک لکھو، صرف اتنا ہی نہیں، اگر وہ آدمی برائی کا ارادہ کرتا ہے اور اس کو عمل میں نہیں لاتا، یعنی ارادہ کرنے کے بعد برائی انجام نہیں دیتا تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرشتوں سے کہتے ہیں کہ اس نے جو برائی کا ارادہ کیا تھا، لیکن اس کو ترک کر دیا، اس پر عمل نہیں کیا تو اس کے بدلے میں اس کی ایک نیکی لکھو۔

یہ بات بیان کرنے کے بعد جناب رسول اللہؐ نے یہی آیت مبارکہ تلاوت فرمائی جو میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَۃِ فَلَہٗ عَشْرُ اَمْثَالِھَا، وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَۃِ فَلَا یُجْزٰٓی اِلَّا

مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ،یعنی جوایک نیکی لائے گا اس کو دس گنا ملے گا اور جو برائی کرے گا اس کو اتنی ہی برائی کا بدلہ ملے گا جتنی اس نے کی ہے، کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

اللہ کا کرم اور ہماری بے حسی

میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تو مائل بہ کرم ہے، وہ تو بخشنے کا اور نیکی کا اجر دینے کا بہانا ڈھونڈ رہے ہیں، کوتاہی صرف ہماری طرف سے ہی ہے کہ ہم سب کچھ سامنے ہوتے ہوئے بھی اس کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے، حالانکہ ہم سب کو پتہ ہے، چاہے مسلمان ہیں، کافر ہیں، مرد ہیں، عورتیں ہیں، بچے ہیں، بوڑھے ہیں، اچھے ہیں یا برے ہیں سب کو پتہ ہے کہ یہ زندگی ایک دن ختم ہو جانی ہے، اس سے کسی کو انکار نہیں ہے، دنیا میں بہت سی چیزوں کا لوگوں نے انکار کیا، حتیٰ کہ دھریوں نے خدا تک کا انکار کر دیا لیکن موت کا کسی نے انکار نہیں کیا، نہ ہی اس سے کسی کو چھٹکارا ملا۔ اسی وجہ سے فارسی کا ایک شاعر کہتا ہے کہ

؎ خیرے کن اے فلاں و غنیمت شمار عمر
زاں بیشتر کہ بانگ بر آید فلاں نماند

اے فلاں، نیکی کر لے اور عمر کو غنیمت شمار کر، یعنی یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی بڑی نعمت ہے، اس کی قدر کر اور اس غنیمت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کوئی نیکی کر لے، کیوں؟ اس سے پہلے کہ اعلان ہو جائے کہ فلاں آدمی نہیں رہا۔ آپ ہر روز مسجدوں سے اعلان سنتے ہیں کہ فلاں آدمی فوت ہو گیا، اس کا فلاں وقت جنازہ ہوگا۔ گویا کہ انسان کو نیکی انجام دینے کیلئے ایک لمٹ اور ایک مدت دی گئی ہے اور وہ موت تک ہے، اس سے پہلے پہلے ہی نیکی انجام دی جاسکتی ہے، اس کے بعد دار العمل ختم ہو کر دار الجزاء شروع ہو جاتا ہے، جو نیکی آپ نے انجام دی ہے اس کا آپ کو وہاں بدلہ ملے گا، وہاں نیکی کرنے کی کوئی سبیل نہیں ہوگی، اسی وجہ سے کافروں کے متعلق اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ وہ یہ تمنا کریں گے کہ ہمیں دوبارہ زندگی مل جائے اور برائی انجام دینے والے مسلمان بھی یہی امید کریں گے کہ ہمیں دوبارہ زندگی مل جائے، کہیں گے فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ۔ (المنافقون۔۱۰) اگر ہمیں مہلت مل جائے تو ہم صدقہ وخیرات بھی کریں اور ہم نیکوں میں سے ہو جائیں۔ لیکن اللہ کا فیصلہ اٹل ہے فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ۔ (الاعراف۔۳۴) جب ان کی موت آئے گی تو آگے پیچھے ایک گھڑی نہیں ہوگی، اس وجہ سے یہ محدود زندگی ہے، اس میں نیکی کرنی چاہئے، برائی سے بچنا چاہئے اور اللہ کی رحمت کا امیدوار ہونا چاہئے۔

نیکی کا بدلہ زیادہ اور برائی کی سزا کم ہونے کی دو وجوہات

میں اپنے موضوع کے حوالے سے صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نیکی کا بدلہ زیادہ کیوں دیتا ہے اور برائی کا بدلہ اتنا ہی کیوں دیتا ہے۔ اس کی دو وجوہات ہیں۔ مکہ مکرمہ کے ایک بہت بڑے محدث، ولی اللہ، امام شیخ ابو طالب محمد بن علی بن عطیہ حارثی مکیؒ، جن کی وفات ۳۸۶ھ میں ہوئی، انہوں نے اپنی کتاب ''قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب'' میں دو احادیث مبارکہ نقل کی ہیں، سمجھانے کیلئے وہ عرض کر کے بات ختم کرتا ہوں۔

سلمہ بن وردانؒ ایک تابعی گزرے ہیں، محدث تھے، مشہور صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ کے شاگرد ہیں اور انہی سے یہ روایت کرتے ہیں، حضرت انس بن مالکؓ حضور نبی اکرمؐ کے وہ مخصوص صحابی ہیں جنہوں نے دس سال سفر و حضر میں آپ کی خدمت کی ہے، آپ کے قریبی حالات کو جانتے تھے، حضرت انس بن مالکؓ یہ حدیث مبارکہ نقل کرنے والے ہیں، فرماتے ہیں کہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَأَلَ رَبَّهٗ فِیْ ذُنُوْبِ اُمَّتِهٖ جناب رسول اللہؐ نے ایک مرتبہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی خدمت میں یہ درخواست پیش کی کہ میری امت کے لوگوں کے جو گناہ ہیں اِجْعَلْ حِسَابَهُمْ اِلَیَّ، مولیٰ کریم اس کا اختیار مجھے دے دے کہ ان کا حساب میں لوں، وجہ کیا آپ نے فرمائی؟ فرمایا لِئَلَّا يَطَّلِعَ عَلٰى مَسَاوِيْهِمْ غَيْرِیْ تاکہ دوسرے لوگ میرے علاوہ ان کے گناہوں پر مطلع نہ ہوں، ان کی برائیوں کا انہیں پتہ نہ چلے کہ انہوں نے یہ یہ گناہ کیے ہوئے ہیں، اس لیے آپ مجھے اختیار دے دیں، میں خود ان کا فیصلہ کر کے ان کو بھگتا دوں، فَاَوْحَى اللّٰهُ تَعَالٰى اِلَيْهِ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی طرف وحی کے ذریعہ جواب میں فرمایا هُمْ اُمَّتُكَ وَهُمْ عِبَادِیْ یہ لوگ تیری امت ضرور ہیں لیکن یہ بات یاد رہے کہ یہ میرے بندے ہیں۔

حضور نبی اکرمؐ نے یہ خدشہ ظاہر فرمایا کہ دوسرے لوگ میری امت کے گناہوں پر مطلع نہ ہوں لہٰذا مجھے اختیار دے دیں، اللہ نے فرمایا کہ یہ تیری مت کے لوگ ہیں لیکن بندے میرے ہیں، میرا نظریہ بھی سنو، اللہ تبارک وتعالیٰ کیا چاہتے ہیں، فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ ان پر میں ہی رحم کروں تاکہ اِن لوگوں کے گناہ نہ تجھے پتہ چلیں نہ کسی اور کو پتہ چلیں، لہٰذا یہ مجھے ہی کرنے دو، وَاَنَا اَرْحَمُ بِهِمْ مِنْكَ کیونکہ میں ان پر آپ سے زیادہ رحم کرنے والا ہوں، لِئَلَّا تَنْظُرَ فِیْ مَسَاوِيْهِمْ اَنْتَ وَلَا غَيْرُكَ تاکہ ان کے گناہوں کو نہ آپ دیکھیں اور نہ آپ کے علاوہ کوئی دوسرا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ تو یہ چاہتے ہیں کہ جناب رسول اللہؐ کو بھی پتہ نہ چلے کہ اِن کی امت کے لوگوں نے کیا کیا گناہ کیے ہیں، اس لیے میں ہی ان پر رحم کر دوں، اسی وجہ سے مشہور محدث حضرت سفیان ثوریؒ فرمایا کرتے تھے، ان

کا مقولہ ہے مَـا اُحِـبُّ اَنْ یُجْـعَـلَ حِسَـابِیْ اِلٰی اَبَوَیَّ کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ میرا حساب کتاب میرے والدین نہ لیں، حالانکہ والدین سے زیادہ کون بچوں پر شفقت کر سکتا ہے، انہوں نے اس کی وجہ یہ بیان کی کہ لِاَنِّی اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی اَرْحَمُ بِیْ مِنْهُمَا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ میرے والدین سے اللہ تبارک وتعالیٰ زیادہ رحم کرنے والا ہے، اس لیے یہ اللہ ہی کے سپرد ہونا چاہئے۔

تو جناب رسول اللہؐ کی اس درخواست پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ فرمایا کہ نہیں، یہ میں ہی کروں گا، تیری امت ضرور ہے، لیکن بندے میرے ہیں اور اپنے بندوں پر میں ہی سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہوں، یہ میرا اصول ہے، قرآن میں بھی بار بار آیا ہے۔ تو یہ ایک وجہ ہے نیکیوں کا اجر زیادہ کرنے کی اور برائیوں کا بدلہ اتنا ہی دینے کی، اللہ تبارک وتعالیٰ رحمت کیلئے بہانا ڈھونڈ رہے ہیں کہ کوئی ایک نیکی کرے اور اس کو دس گنا اجر دوں، اس کا عملی مشاہدہ قیامت کے دن ہوگا، جب اللہ تبارک وتعالیٰ امت کے لوگوں کی ان نیکیوں کی وجہ سے بخشش فرمائیں گے، تو یہ ہے نیکی کے بدلے کے زیادہ ہونے کا ایک سبب۔

دوسری حدیث مبارکہ بھی حضرت انس بن مالکؓ سے ہیں، جناب رسول اللہؐ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا، صحابہ کرامؓ بھی موجود تھے، حَیَـاتِیْ خَیْرٌ لَّكُمْ وَمَوْتِیْ خَیْرٌ لَكُمْ بڑی عجیب بات ارشاد فرمائی، آپ نے فرمایا کہ میری زندگی بھی تمہارے لیے بہتر ہے اور میری موت بھی تمہارے لیے بہتر ہے، زندگی اور موت کے بہتر ہونے کو بھی جناب رسول اللہؐ نے خود بیان فرمایا کہ کیسے بہتر ہے، فرمایا اَمَّا حَیَاتِیْ بہرحال میری حیات، یہ اس وجہ سے بہتر ہے فَـاِنِّـیْ اُبَیِّـنُ لَـكُـمُ السُّـنَنَ وَاَشْرَعُ لَكُمُ الشَّرَائِعَ میں تمہارے لیے سنتوں کو بیان کرتا ہوں اور شریعت کو تمہارے سامنے کھولتا ہوں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی بات بھی جناب رسول اللہؐ ہمیں بتاتے ہیں، دین و شریعت کے اصول بھی واضح کرتے ہیں، یہ سب آپ ہی کے ذریعے ہمیں ملا، اور کہاں سے مل سکتا تھا؟ دوسرا کوئی ذریعہ نہیں تھا، اللہ کے ساتھ براہ راست تو ہم رابطہ نہیں کر سکتے، نبی ہی درمیان میں واسطہ ہوتا ہے، فرمایا میری زندگی اس وجہ سے بہتر ہے کہ میں تمہارے لیے سنتیں کھولتا ہوں، حضور نبی اکرمؐ کے جتنے بھی طریقے ہیں سنت کہلاتے ہیں، اور شریعت بھی بیان کرتا ہوں، غرضیکہ آپ ہی کی وجہ سے ہمیں شریعت بھی ملی اور سنتیں بھی ملیں۔

وَاَمَّــا مَوْتِــیْ بہرحال جو میری موت تمہارے لیے بہتر ہے اس کی وجہ یہ ہے، بڑی عجیب وجہ ارشاد فرمائی، فرمایا فَاَعْمَالُكُمْ تُعْرَضُ عَلَیَّ میری موت کے بعد، برزخ کی زندگی میں تمہارے اعمال مجھ پر پیش کیے جاتے

ہیں، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہوگا، ہم جو نیکی کرتے ہیں یا برائی کرتے ہیں جناب رسول اللہؐ کو جا کر فرشتے دکھاتے ہیں کہ فلاں نے یہ کیا، جناب رسول اللہؐ نے فرمایا فَمَا رَأَيْتُ مِنْهَا حَسَنًا کہ جب میں اس میں دیکھتا ہوں کہ میری امت کے کسی بندے نے کوئی نیکی کی ہے، حَمِدْتُ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ تو میں اس پر اللہ بزرگ و برتر کی حمد بیان کرتا ہوں کہ واہ اس نے بہت اچھا کام کیا، خوش ہوتے ہیں اور اللہ کی تعریف کرتے ہیں، اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ وَمَا رَأَيْتُ مِنْهَا سَيِّئًا اِسْتَغْفَرْتُ اللّٰهَ لَكُمْ جب میں دیکھتا ہوں کہ میری امت کے کسی آدمی نے کسی برائی اور کسی گناہ کا ارتکاب کیا ہے تو جناب رسول اللہؐ نے فرمایا کہ میں پھر تمہارے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں استغفار کرتا ہوں کہ یا اللہ اس کو ہدایت دے دے، اس کو بخش دے، اس کو راہِ راست پر لے آ۔

حرفِ آخر

اس وجہ سے امت محمدیہؐ کیلئے دو چیزیں خاص ہیں، ایک اللہ کی رحمت اور دوسری جناب رسول اللہؐ کی استغفار، اب یہ ہمارے سوچنے کی بات ہے کہ ہم نے اس کی کتنی قدر کی، عقلمند وہی ہے جو موقع سے فائدہ اٹھائے، سامنے بات نظر آ رہی ہے اس کو اخذ کرے، اختیار کرے اور زندگی میں لائے، وہ آدمی نہایت بیوقوف ہوگا جس کے سامنے ساری بات ہو پھر بھی وہ اس سے فائدہ نہ اٹھائے، ایک آدمی بھوکا ہے اس کے سامنے کھانا پڑا ہوا ہے، کوئی رکاوٹ نہیں ہے، وہ اسے کھاتا نہیں ہے تو اس کو بیوقوف ہی کہیں گے۔ اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت اور جناب رسول اللہؐ کی بخشش اور استغفار سے فائدہ اٹھائیں، اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق نصیب فرمائے۔

چند اہم دینی مسائل

[س ا] محمد عبد اللہ صاحب کہہ رہے ہیں کیا حضرت امیر معاویہؓ نے زبردستی یزید کی بیعت کرائی تھی، وضاحت فرما دیں شکریہ۔

[ج] بھئی! زبردستی بیعت نہیں کرائی تھی بلکہ کہا تھا کہ اس کی بیعت کرلو، ولی عہد مقرر کرنا چاہتے تھے، ان کی اس بات کو امت کے لوگوں نے اجتہادی خطا قرار دیا ہے، مجتہد ایک بات کو سوچتا ہے اس کو اس پر ثواب ملتا ہے، اگر غلط ہوجائے تو پھر بھی ثواب ملتا ہے، وہ یزید کے بارے میں اچھا گمان رکھتے تھے، آپ کو سمجھانے کیلئے کہتا ہوں، آج کل ہم والدین کو اپنی اولاد کی کتنی برائیوں کا پتہ ہوتا ہے؟ پتہ ہی نہیں ہوتا کہ یہ کیا کیا برائیاں کرتے ہیں، اسی طرح ان کا خیال تھا، سامنے تو وہ نماز بھی پڑھ لیتا تھا اور دیگر اچھے امور بھی انجام دے دیتا تھا، لیکن ان کی وفات کے بعد اس کی ساری برائیاں سامنے آ گئی۔

[س۲] محسن بٹ صاحب کہہ رہے ہیں کہ میت اٹھانے کیلئے اچھی قسم کی سٹیل کی چار پائی اور اعلیٰ قسم کی شنیل یا ریشم کی چادر میت پر ڈالنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز اس چادر پر قرآنی آیات، کلمہ اور درود شریف وغیرہ لکھا ہوتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں؟

[ج] بھئی! میت کے اوپر لکھی ہوئی چیز نہیں ڈالنی چاہیے، جب آدمی فوت ہو جاتا ہے تو نجس ہو جاتا ہے، اسی وجہ سے مسجد کے اندر اس کا جنازہ نہیں پڑھا جاتا، مسجد سے باہر رکھا جاتا ہے، اس کا حکم مردار کا ہوتا ہے، میت مردار کو کہتے ہیں، مردار چیز کو مسجد میں نہیں لاتے، اسی وجہ سے مردار چیز پر قرآن کریم وغیرہ نہیں لکھنا چاہئے بلکہ سادہ چادر ڈالنی چاہے، باقی جو چار پائی اچھی استعمال کرنا چاہے تو کر سکتا ہے لیکن اس کا میت کو کوئی فائدہ نہیں، آپ سونے کی چار پائی پر اس کو لے جائیں یا لکڑی کی چار پائی پر، آپ اس پر شنیل کی چادر ڈالیں، ریشم کی یا کھدر کی، اس کو کوئی فائدہ نہیں ہونے والا، فائدہ اس کو اسی نیکی کا ہے جو اس نے دنیا میں انجام دی ہے، اب تو جزائے عمل کی منزل ختم ہو کر جزاء و سزا کا معاملہ شروع ہو گیا ہے، یہ رواج بن گیا ہے، لوگ اس کو سمجھتے نہیں ہیں، کہتے ہیں کہ نیکی ہے اور اچھی بات ہے۔

ایک بات ذہن میں رکھیں کہ جتنی بھی بدعات ہوتی ہیں، اکثر اصل میں نیکی ہوتی ہیں، بدعت تب بنتی ہیں جب اس نیکی کو ہم جناب رسول اللہؐ اور صحابہ کرامؓ کے طریقے سے ہٹ کر کرنا شروع کر دیتے ہیں، مثال کے طور پر ہم نمازِ جنازہ پڑھتے ہیں، اس کے بعد کچھ لوگ کھڑے ہو کر اجتماعی دعا کرنا شروع کر دیتے ہیں حالانکہ یہ نہ جناب رسول اللہؐ سے ثابت ہے اور نہ ہی خلفائے راشدینؓ اور صحابہ کرامؓ سے، ہاں قبر پر جا کر دعا کرنا ثابت ہے، جنازے کے فوراً بعد نہیں ثابت، لیکن جب کسی کو سمجھایا جاتا ہے وہ کہتے ہیں کہ دعا ہی تو ہے، نیکی کی بات ہے، بھئی! یہ نیکی کی بات نہیں ہے، اس کو بدعت تب ہی کہا جاتا ہے کہ ہم نیکی کو غلط راستے سے استعمال کر رہے ہیں، دعا کرنا نیک کام ہے، لیکن جب حضورؐ اور صحابہؓ کے عمل کے خلاف کریں گے تو بدعت میں شمار ہوگا، اسی وجہ سے بدعت کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ کوئی دینی اور شرعی کام خدا، رسولؐ اور آپ کے صحابہؓ کے طریقے کے خلاف کیا جائے تو وہ بدعت ہے، دنیاوی کام اس میں نہیں آتے، وہ رسومات یا ایجادات میں شمار ہوتے ہے، اِس کو لوگ چونکہ دین سمجھ کر کر رہے ہوتے ہیں، اس وجہ سے یہ بدعت ہوتی ہے اور اس کا بڑا وبال ہوتا ہے، لہٰذا اس سے بچنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

[س۳] نصیر احمد صاحب علمِ غیب کے بارے میں تفصیلی سوال پوچھ رہے ہیں؟

[ج] بھئی! غیب کا علم صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کو ہے، اس کے علاوہ کسی کو نہیں، صرف یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ

غیب کی اطلاع کرتا ہے فرشتوں کو، انبیاء کو اور عام لوگوں کو الہام والقاء فرماتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے انبیاء میں دو قسم کے انبیاء پیدا فرمائے، ایک شریعت والے، ان کو تشریعی انبیاء کہتے ہیں، اکثر و بیشتر انبیاء یہی ہیں، جو حلال، حرام اور عقیدہ کی باتیں سب بتاتے ہیں، بعض انبیاء کو تکوینی علم دیا ہے، ان کو تشریعی علم نہیں دیا، وہ حلال وحرام نہیں بتاتے، بلکہ وہ تکوینی باتیں جو اللہ نے ان کو بذریعہ وحی بتائی ہوئی ہیں وہ بتاتے ہیں، وہ غیب نہیں ہوتا، جیسے حضرت خضرؑ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے تکوینی علم دیا تھا، وہ آئندہ کے حالات کے بارے میں بتاتے تھے، حضرت موسیٰؑ کے حوالے سے قرآن کریم نے بڑی تفصیل سے دو رکوع میں یہ واقعہ بیان کیا ہے، پندرہویں سپارے کے آخر میں اور سولہویں پارے کا پہلا رکوع اسی کی تفصیلات پر مشتمل ہے، ان دونوں بزرگوں کا آپس میں جھگڑا ہوا، خضرؑ نے ایک بچے کو قتل کر دیا، ایک کشتی کو توڑ دیا اور ایک گرتی ہوئی دیوار کو سیدھا کر دیا، ان کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کی اطلاع دی تھی، لیکن شریعت کے احکام بیان کرنا ان کا کام نہیں تھا، موسیٰؑ کا کام شریعت کا تھا، اللہ تبارک وتعالیٰ فرشتوں کو بھی اطلاع کرتے ہیں، یہ غیب نہیں ہوتا، غیب اس کو کہتے ہیں جو کسی سبب کے بغیر خود حاصل ہو، وہ صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات کو حاصل ہے، جو مسبب الاسباب ہے، جو خود ہی اسباب کو پیدا کرنے والا ہے، باقی جتنوں کو ہے وہ اطلاع غیب ہوتی ہے علمِ غیب نہیں ہوتا، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کیلئے اسباب بناتا ہے، فرشتوں کو القاء والہام کرتا ہے، حکم کرتا ہے کہ ایسے کرو، انبیاء کو وحی کرتا ہے کہ یہ کام ایسے ہوگا، جناب رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں آپ منافقوں کے بارے میں بتلا دیتے کہ فلاں منافق ہے، آج کون بتا سکتا ہے، اس وجہ سے علم غیب کے بارے میں عقیدہ رکھنا چاہئے کہ وہ خاصہ خداوندی ہے، اگر اس عقیدے میں کوئی گڑبڑ ہوئی تو شرک ہو جاتا ہے، خدا کے سوا کسی کو غیب کا علم نہیں، اللہ نے قرآن کریم میں بار بار کہا ہے کہ غیب کا علم میرے پاس ہے، وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ (الانعام۔۵۹) اسی کے پاس غیب کے خزانوں کی چابیاں ہیں، اس کی اطلاع وہ جس کو جتنی چاہے دے دے، اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو سمجھنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

دعائیہ کلمات: اللہ تبارک وتعالیٰ تمام بیماروں کو شفاء کاملہ وعاجلہ نصیب فرمائے، جو وفات پا چکے ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی بخشش ومغفرت فرمائے جو پریشان حال ہیں ان کی پریشانیوں کو دور فرمائے، اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو دین حق کی سمجھ نصیب فرمائے، اس پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے اور ہم سب کا خاتمہ ایمان پر فرمائے۔

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَن لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ۔

(تاریخ خطبہ جمعۃ المبارک: ۲۷، اکتوبر ۲۰۱۷ء)

[مراسلات] مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتیؒ
[مرتب] مولانا محمد فیاض خان سواتی

مراسلاتِ مفسرِ قرآنؒ

(باب پنجم)

دیگر مسالک کے اہل علم سے مراسلت

[قسط ۔ ۳۷]

حافظ عبید اللہ صاحب سے مراسلت

''حافظ عبید اللہ صاحب کا تعلق جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم کی جماعت اسلامی سے ہے، جو ایک معروف رائٹر اور اپنی جماعت کے عہدہ دار بھی تھے۔'' (فیاض)

مکتوب مفسرقرآنؒ بنام حافظ عبید اللہ

مودودی صاحب کے بعض نظریات دین کے لئے نقصان دِہ ہیں:

مکرمی حافظ عبید اللہ صاحب!

سلام مسنون کے بعد آپ کے خط کا جواب دینے میں کافی تاخیر ہوگئی، اس کے اسباب غیر اختیاری تھے کچھ طبیعت کی ناسازی امراض وعوارض تھے اور کچھ اپنی ضروریات واشغال سے خالی وقت ملنا مشکل ہوگیا تھا لیکن اسی اثناء میں ۲۲ مارچ ۶۸ء کا ''آئین'' دیکھ کر بڑی مایوسی ہوئی اس لئے کہ یہ تو آپ کا اور مدرسہ نصرۃ العلوم کا نجی سا معاملہ تھا۔ آپ نے مدرسہ میں داخلہ کے لئے رائے طلب کی تھی اور ہم نے صاف صاف بات آپ کو تحریر کردی تھی کیونکہ ''المستشار مؤتمن''، لیکن اس خط کو اخبار میں شائع کرانا تو ہماری سمجھ میں نہیں آیا کیونکہ یہ مشاغبیت

اور پروپیگنڈہ کا ذریعہ تو ہوسکتا ہے سکون و دلجمعی سے کسی مسئلہ کے حل کا ذریعہ نہیں بن سکتا پھر کیا آپ کا یہ فرض نہیں تھا کہ آپ اطلاع دیتے کہ یہ خط و کتابت میں اخبار میں شائع کراتا ہوں۔ واللہ اعلم اس میں کیا مصلحت تھی آپ نے اپنے خط میں چونکہ افہام و تفہیم والی بات کا بھی ذکر کیا ہے اس لئے اس کا جواب دینا ہمارا فرض ہے۔

محترم! آپ اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ ہم لوگ مودودی صاحب کے ساتھ کسی قسم کا ذاتی عناد نہیں رکھتے اور نہ سیاسی دھڑا بندی کی بناء پر ان کی مخالفت کرتے ہیں ذاتی بغض و عناد یا دھڑا بندی اور دنیاوی مفاد کی خاطر کسی شخص سے عناد رکھنا ہم حرام سمجھتے ہیں۔ مودودی صاحب سے جو اختلاف ہے وہ دین، شریعت اور آخرت کی وجہ سے ہے اور ہم مودودی صاحب کو مسلمان سمجھتے لیکن ''ضال و مضل'' کہتے ہیں اور یہ ان کے خاص عقائد و خیالات اور مسائل و تعبیرات کی وجہ سے ہے جو انہوں نے جمہور علماء سلف و خلف کے خلاف لکھے ہیں اور پھر باوجود اس کے کہ مختلف علماء نے ان کو خبردار کیا، متنبہ کیا لیکن انہوں نے اپنی روش میں قطعاً تبدیلی نہیں کی اور مختلف غلط مسائل میں انہوں نے ہر جگہ تاویلات کے دامن میں پناہ لینے کی کوشش کی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ تاویل و توجیہہ کی بھی دین و شریعت کے بعض مسائل میں گنجائش ہوتی ہے لیکن آخر اس کی بھی کچھ حدود ہوتی ہیں ہر مسئلہ جو جمہور کے خلاف آپ کے قلم سے نکل گیا گرفت کے وقت اس کی تاویل کر کے دامن چھڑانے کی کوشش کی خواہ اس سے جمہور علماء کی تکذیب لازم آئے اور عقل سلیم بھی اس تاویل کو قبول کرنے سے اباء کرے۔

پھر آپ یہ بات بھی ملحوظ خاطر رکھیں کہ ہم نے محض اساتذہ کے اتباع میں ہی یہ نہیں کہا کہ مودودی صاحب ''ضال و مضل'' ہیں جس کا آپ طعن یا الزام دیتے ہیں کہ یہ ''غلو فی المحبت'' اور ''اندھی تقلید'' ہے۔ میں واضح طور پر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے ''جماعت اسلامی کے یوم ولادت'' سے لے کر آج تک اکثر تحریریں خود پڑھی ہیں اور پورے سیاق و سباق کو ملحوظ رکھتے ہوئے ''محض شنید'' پر مدار نہیں رکھا ہمارے لئے اس وقت بڑی مشکل یہ ہے کہ اپنے فرائض منصبی سے فرصت ہی نہیں ملتی تا کہ تفصیل کے ساتھ کچھ لکھا جائے اور اجمال سے بات پوری طرح واضح نہیں ہوسکتی پھر سالہا سال کی مفصل تحریروں کا جائزہ دو چار مجلسوں میں نہیں لیا جا سکتا۔ کیونکہ اس سلسلہ میں مسائل بھی ہیں اور تنقیدات بھی تفسیرات و معانی بھی ہیں، سیاسی نظریات اور تاریخی واقعات بھی ہیں۔ دین و شریعت کی تعبیرات بھی ہیں۔ قول و عمل، ذہنی تشکیل اور مخصوص مفادات بھی ہیں۔ ان سب باتوں میں مودودی صاحب کی تحریرات جائزہ کے قابل ہیں۔

محترم! میں آپ کی خدمت میں یہ عرض کروں گا کہ آپ نے کبھی اس بات پر غور کیا ہے کہ جماعت اسلامی کے قیام ونشأۃ میں جو لوگ شریک تھے کیا وہ سارے کے سارے بددیانت خودغرض اور مطلب پرستے تھے؟ پھر کیا وجہ ہے کہ وہ جماعت چھوڑ کر الگ ہوگئے پھر جو جو حضرات جماعت سے الگ ہوئے تقریباً ان میں سے اکثر نے مودودی صاحب کو گمراہ ہی کہا۔ کیا مولانا ابوالحسن علی ندویؒ اور مولانا محمد منظور نعمانیؒ جماعت میں شریک نہیں تھے؟ کیا مولانا امین احسن اصلاحی جماعت کے خاص الخاص روح رواں نہیں تھے؟ جنہوں نے جماعت سے الگ ہوکر یہ کہا کہ ''گم کردہ راہ قافلہ کے ساتھ سولہ سال تک چلتا رہا'' اور پھر بعد میں انہوں نے مودودی صاحب کی جماعت کو یہودیت سے زیادہ خطرناک کہا۔

مولانا صبغۃ اللہ بختیاری جو صوبہ مدراس کے قیم جماعت تھے مودودی صاحب کو ''ضال و مضل'' کہہ کر جماعت سے الگ ہوئے وحیدالدین خان پندرہ برس تک جماعت کے پرجوش رکن و مبلغ رہے پھر اس کے بعد الگ ہوئے اور ''تعبیر کی غلطی'' لکھ کر واضح کر دیا کہ مودودی صاحب کا رخ کدھر ہے، حکیم محمد اشرف صاحب کیوں الگ ہوگئے؟ کیا مولانا عبدالغفار حسن بالغ النظر اور نیک نفس علماء میں سے نہیں تھے کیوں الگ ہوئے؟ کیا سعید ملک ناسمجھ آدمی تھا؟۔ جس نے بلاوجہ جماعت کی مخالفت کی اور بہت سے مفادات سے محروم ہوگیا۔ کیا ڈاکٹر اسرار احمد تعلیم یافتہ اور صاحب فکر انسان نہیں تھا کیوں الگ ہوا؟ عاصم حداد صاحب جو مودودی صاحب کی تحریروں کو عربی جامہ پہناتے رہے کس بنا پر جماعت سے الگ ہوئے؟ کوثر نیازی صاحب کو تو چھوڑ یئے عبدالجبار غازی اور اس قسم کے اور بہت سے علماء اور کارکن اور اصحاب فکر ونظر مودودی صاحب سے الگ ہوکر پوری طرح ان کی مخالفت کر رہے ہیں یہ بات کسی طرح بھی نظرانداز کرنے کے قابل نہیں، یہ تو درونِ خانہ تھا۔

دیگر حضرات اور اداروں میں سے علماء دیوبند، ندوۃ العلماء جامعہ اسلامیہ ڈابھیل، مدرسہ امینیہ دہلی، مظاہر العلوم اور قدیم ہند کے اکثر معتمد ادارے اور ان سے تعلق رکھنے والے حضرات مودودی صاحب کے مخالف تھے اور ہیں۔ پاکستان کے بھی تمام معتمد ادارے اور بڑے بڑے علماء جو اپنے علم وبصیرت میں مانے ہوئے ہیں۔ وہ سب مودودی صاحب کے بہت سے فتاویٰ، تفسیرات اور بعض عقائد کے شدید مخالف ہیں۔ جماعت اہلِ حدیث کے ثقہ قسم کے علماء بھی مودودی صاحب کے مخالف ہیں اور کئی باتوں میں ان کی پوری طرح تردید کر چکے ہیں اور کرتے رہتے ہیں کیا اس چیز کو محض نفسانیت پر محمول کریں گے؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ مودودی صاحب ذہین آدمی ہیں۔ صحافت کے شناور بھی ہیں ادیب بھی ہیں اور وسیع المعلومات بھی ہیں اور بہت مطالعہ کرنے والے شخص ہیں اور عربی اور فارسی پر بھی قدرے عبور رکھتے ہیں لیکن بایں ہمہ ان کا مطالعہ خود رو قسم کا ہے۔ جائے استاذ خالیست۔ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح بخاری کتاب العلم میں لکھا ہے اِنَّمَا الْعِلْمُ بِالتَّعَلُّمِ علم تو سیکھنے سے آتا ہے۔

بہر حال وسیع المطالعہ اور کثیر المعلومات ہونے کے باوجود مودودی صاحب کا علم کچا ہے وہ محقق عالم نہیں اور نہ انہوں نے کسی مستند محدث یا عالم سے علم حاصل کیا ہے ان کا اندازِ تحقیق مستشرقین جیسا ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی ذات کو مقدم سمجھتے ہیں اور کسی کو نگاہ میں نہیں لاتے انہوں نے اپنے انداز میں قدیم و جدید سب کو گم کردہ راہ بتایا ہے بڑے بڑے علماء کے متعلق وہ یہ کہنے سے گریز نہیں کرتے کہ وہ حدود شریعت کو نہیں جانتے اور عملی طور پر انگریز کے دور میں انگریز کا مقابلہ کرنے والی تمام جماعتوں کے بارہ میں کہہ دیا کہ ان تمام کی کوشش حرفِ غلط کی طرح مٹانے کے لائق ٹھہرتی ہیں اور سب سے زیادہ افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ ''ہمہ دانی'' کا سودا بھی جناب والا کے سر پر سوار ہے اور جس چیز میں درک نہیں ہوتا اس میں بھی بڑی مجتہدانہ شان سے لکھنے لگ جاتے ہیں۔ جس کا نتیجہ ''ضلوا فاضلوا'' کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔

ذرا ملاحظہ فرمایئے دجال کے بارہ میں مودودی صاحب کا فتویٰ اور پھر صحیح حدیث بھی دیکھ کر انصاف کیجئے۔

[۱] عن عبداللّٰه بن عمرؓ قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ان اللّٰه تعالٰی لیس بأعور وان المسیح الدجال اعور عین الیمنٰی کأن عینه عنبة طافیة۔ (متفق علیه)	عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کانا نہیں اور مسیح الدجال کی داہنی آنکھ کانی ہے گویا اس کی آنکھ ابھرے ہوئے پھٹے ہوئے انگور کے دانے کی طرح ہے۔

[۲] حضرت حذیفہؓ کی روایت میں بھی ذکر ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ

ان الدجال ممسوح العین علیها ظفرة غلیظة مکتوب بین عینیه کافر یقرؤه کل مومن کاتب وغیر	بے شک دجال مٹی ہوئی آنکھ والا ہے اس کے اوپر موٹا دانہ ہے اس کی آنکھوں کے درمیان ''کافر'' لکھا ہوا ہوگا۔ جس کو ہر پڑھا ہوا اور

کاتب۔ ان پڑھ مومن بھی پڑھ لے گا۔

[۳] حضرت عبادۃ بن الصامتؓ کی روایت میں بھی آنحضرتؐ کا یہ فرمان موجود ہے۔

مطموس العين ليس بنانية ولا حجراء فان البس عليكم فاعلموا ان ربكم ليس باعور۔ (ابوداؤد ج۲ ص۵۹۳)

کہ دجال مٹی ہوئی آنکھ والا (کانا) ہوگا خوب جان لو کہ تمہارا پروردگار کانا نہیں۔

[۴] حضرت انسؓ کی روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ

ما من نبي الا قد نذر امته الاعور الكذاب الا انه اعور وان ربكم ليس باعور۔ مكتوب بين عينيه ك ف ر (متفق عليه)

کہ ہر نبی نے اپنی امت کو کانے کذاب سے ڈرایا ہے بیشک وہ کانا ہوگا تمہارا رب کانا نہیں اور دجال کی آنکھوں کے درمیان لکھا ہوا ہوگا ''ک ف ر''

اس قدر واضح اور صریح حدیث کے بعد جو شخص یہ کہتا ہے کہ ''یہ کانا دجال وغیرہ افسانے ہیں ان کی کوئی شرعی حیثیت نہیں'' اور متفق علیہ روایات کو افسانے سے تعبیر کرتا ہے کیا یہ گمراہی نہیں؟ اور ایسا شخص ''ضال ومضل'' نہیں؟ حضورؐ کی زبان مبارک سے جو چیز صحیح سند کے ساتھ ثابت ہو اس کو افسانہ کہنا کیا اہلِ حق کی علامت ہے؟ بينوا و توجروا۔

جمہور فقہاء کے خلاف مودودی صاحب نے فتویٰ صادر کیا کہ بندوق سے مارا ہوا شکار بغیر ذبح کئے حلال ہے۔ پھر ستم ظریفی ملاحظہ فرمائیں کہ مودودی صاحب ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ''عملاً میں خود بھی ایسے جانور کے کھانے سے پرہیز کرتا ہوں'' سبحان اللہ! کیا کہنے اتقاء اور پرہیز گاری تو اسی کو کہتے ہیں حرام دوسروں کو کھلانا اور خود پرہیز کرنا۔

''آنچہ برخود نہ پسندی بر دیگراں مپسند''۔ اتأمرون الناس بالبر وتنسون انفسكم۔ نیز ایمان کامل جس کی علامت حضور نبی اکرمؐ نے حدیث میں یہ بیان فرمائی ہے کہ ''ان تحب لاخيك ما تحب لنفسك'' اس کا یہ کامل نمونہ ہے۔

تقلید کے بارہ میں مودودی صاحب نے کہہ دیا کہ ''اہلِ علم کے لئے تقلید گناہ سے بھی بڑا جرم ہے'' حالانکہ

تمام بڑے بڑے علماء سلف وخلف فروعات دین میں تیرہ صدیوں سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے کہ تقلید کرتے چلے آئے ہیں کیا یہ گناہ سے بھی بڑے جرم کے مرتکب ہیں کچھ تو انصاف درکار ہے۔''ضال ومضل'' کہنے سے آپ کو تکلیف ہوتی ہے حالانکہ سلف میں اکابر علماء امت نے کسی ایک مسئلہ میں جو مسلمہ عقائد سے تعلق رکھتا ہو خلاف کرنے پر ''ضال ومضل'' کا حکم لگایا ہے۔

چنانچہ معبد جہنیؒ جس کے بارے میں محدثین کرامؒ فرماتے ہیں کہ ''تابعی صدوق فی نفسہٖ'' یہ تابعی ہے اور روایت کے سلسلہ میں صدوق ہے لیکن اس شخص نے سب سے پہلے ایک بری سنت ''سنت سیئہ'' جاری کی یعنی مسئلہ تقدیر میں کلام کیا اور تقدیر کا انکار کیا۔ مسلم شریف کتاب الایمان میں یحیٰ بن یعمرؒ کی روایت موجود ہے کہ

''اول من تکلم فی القدر بالبصرة معبد الجهنی''۔ سب سے پہلے بصرہ میں مسئلہ تقدیر میں جس نے کلام کیا وہ جہنی تھا۔

پھر امام مسلمؒ نے بیان کیا ہے کہ یحیٰ بن یعمرؒ اور حمیدؒ جب حج پر گئے تو ان دونوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ملاقات کی اور ان سے دریافت کیا کہ ہماری طرف ایسے لوگ ظاہر ہوئے ہیں جو قرآن پڑھتے ہیں اور علم بھی حاصل کرتے ہیں یعنی وہ لوگ جاہل نہیں اصحابِ علم ہیں لیکن وہ کہتے ہیں تقدیر کا عقیدہ صحیح نہیں یعنی اشیاء کے ظہور سے پہلے تقدیر اور علم کچھ نہیں بلکہ جب چیزوں کا ظہور ہوتا ہے تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ کو ان کا علم ہوتا ہے تو حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ جب تم ان لوگوں سے ملو تو ان کو بتا دینا کہ میں ان سے بیزار ہوں اور وہ مجھ سے بیزار ہیں۔ یعنی ان لوگوں کو مجھ سے کچھ تعلق نہیں اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ قسم اٹھا کر کہتے ہیں کہ اگر ان لوگوں میں سے کوئی اُحد پہاڑ کے برابر سونا خدا کی راہ میں خرچ کرے تو ہرگز ان سے قبول نہیں ہوگا جب تک کہ یہ تقدیر پر ایمان نہ لائیں گے پھر حضرت ابن عمرؓ نے وہ حدیث سنائی جس میں تقدیر پر ایمان لانے کا ذکر ہے (تؤمن بالقدر خيره وشره)

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ

قد تكلم الحسن البصری فی معبد الجهنی ثم روی عنه حدثنا بشر بن معاذ البصری نامرحوم بن عبدالعزیز العطار حدثنی العطار حدثنی	حسن بصریؒ نے معبد جہنی کے بارہ میں کلام کیا ہے اور پھر اس سے روایت بھی کی ہے امام ترمذیؒ نے عطار کے حوالہ سے بیان کیا کہ انہوں نے اپنے والد اور چچا سے روایت کیا ہے

ابی وعمی قال سمعنا الحسن یقول ایاکم ومعبد الجھنی فانه ضال مضل (ترمذی کتاب العلل صفحہ ۵۶۴) کہ ہم نے حسن بصریؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ معبد جہنی سے اپنے آپ کو بچاؤ کیونکہ وہ ضال مضل ہے یعنی گمراہ اور گمراہ کنندہ۔

حالانکہ معبد نے تو صرف ایک مسئلہ کا انکار کیا تھا اگر اس قسم کے ایک مسئلہ میں اختلاف کرنے سے معبد ضال ومضل ٹھہرتا ہے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ اس سے بیزاری کا اعلان فرماتے ہیں اور اس کے اعمال کی غیر مقبولیت کی شہادت دیتے ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ جب علماء حق مودودی صاحب کو ان بیسیوں مسائل کی وجہ سے ضال ومضل کہتے ہیں جو انہوں نے اہل السنۃ والجماعت کے مسلک کے خلاف لکھے ہیں اور ان پر مصر ہیں اور گرفت پر باطل تاویلیں کرتے ہیں تو علماء حق کی گرفت پر آپ حضرات کیوں چیں بچیں ہو جاتے ہیں؟۔ کچھ تو انصاف چاہیے۔

اس کے بعد آپ کا یہ طعن کس قدر بے جا ہے کہ ''کسی فرد یا جماعت کو میں صرف اس بناء پر گمراہ سمجھوں کہ اس کو میرے بعض اساتذہ نے گمراہ سمجھا ہے۔ تاوقتیکہ مجھے شریعت سے کوئی مضبوط دلیل یا قوی بنیاد نہ مل جائے'' (آئین صفحہ ۱۴) مودودی صاحب کو ہم صرف مشائخ کے اتباع میں ضال ومضل نہیں کہتے جیسا کہ آپ نے اظہار کیا ہے بلکہ مودودی صاحب کی تحریرات ہی ایسی ہیں جو کہ اہل السنۃ والجماعت کے عقائد ومسلک کے خلاف ہیں ذیل میں ان تحریرات میں سے بعض کی نشاندہی کی جاتی ہے۔ ان پر ٹھنڈے دل سے غور کریں۔

نمبر[۱] : حضرت یونسؑ سے فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہوگئی تھیں اور غالباً انہوں نے بے صبر ہو کر قبل از وقت اپنا مستقر بھی چھوڑ دیا تھا............ پس جب نبی ادائے رسالت میں کوتاہی کر گیا اور اللہ کے مقرر کردہ وقت سے پہلے بطور خود اپنی جگہ سے ہٹ گیا...... الخ۔ (تفہیم القرآن جلد ۲ صفحہ ۳۱۲ طبع اول) اس عبارت میں کچھ اصولی غلطیاں کی گئی ہیں۔

(ل)...... : رسالت کا انتخاب اللہ جل شانہ خود ہی فرماتے ہیں۔ اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلَآئِکَۃِ رُسُلاً وَّمِنَ النَّاسِ ۔(اللہ تعالیٰ ہی منتخب فرماتا ہے فرشتوں میں سے رسول اور انسانوں میں سے) اور فرشتوں کی صفات خداوندِ قدوس نے متعدد جگہ بیان فرمائی ہیں۔ لا یعصون اللّٰه ما اَمرَھُم وَیفعلون ما یؤمرون ۔(کہ ملائکہ نافرمانی نہیں کرتے اس کی جو اللہ تعالیٰ انہیں حکم دیتا ہے اور جو کچھ حکم دیا جاتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں

نیز اہل السنۃ والجماعت کا عقیدہ ہے کہ (الاتقیاء من بنی آدم افضل من ملائکۃ۔ مسامرہ

صفحہ ۲۱۲)۔اتقیاء انسانوں میں سے افضل ہیں ملائکہ سے۔اور جب اتقیاء افضل ہیں ملائکہ سے اور ملائکہ رسالت میں کوتاہی نہیں کرتے تو انبیاءؑ رسالت میں کیسے کوتاہی کریں گے اس لئے عقائد کی کتابوں میں انبیاءؑ کے بارہ میں ''زلات'' کی بحث تو ہوتی ہے کہ انبیاءؑ سے گناہ صغائر سرزد ہوتے ہیں یا نہیں لیکن اس کی بحث نہیں کہ انبیاءؑ ادائے رسالت میں کوتاہی کرتے ہیں یا نہیں؟ بلکہ تمام اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے کہ انبیاءؑ ادائے رسالت میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتے جب کہ اللہ جل شانہ نے ان کو منتخب فرمایا ہے رسالت کے لئے تو یہ اللہ تعالیٰ کے انتخاب پر اعتراض ہوگا کہ نعوذ باللہ، اللہ تعالیٰ نے ادائے رسالت کے لئے ایسے شخص کو منتخب فرمایا جس میں ادائے رسالت کی اہلیت ہی نہیں تھی۔پھر مودودی صاحب کی عبارت میں ایک کوتاہی نہیں بلکہ کوتاہیاں جمع کا لفظ ہے یعنی بہت سی کوتاہیاں کیں کتنی بڑی جسارت ہے۔

(ب)...... : دوسری غلطی مودودی صاحب نے یہ کی ہے کہ حضرت یونسؑ کے بارہ میں (قبل از وقت اپنا مستقر چھوڑ دیا) یہ بھی تفسیر بالرائے ہے کیونکہ کہیں بھی یہ منقول نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے وقت مقرر فرمایا تھا اور حضرت یونسؑ نے وقت معلوم ہونے کے باوجود مستقر چھوڑ دیا۔مودودی صاحب پر لازم ہے کہ وہ ثابت کریں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یونسؑ کے لئے وقت مقرر کیا تھا۔اگر مودودی صاحب کسی صحیح دلیل سے یہ ثابت نہ کر سکے تو انہیں اللہ تعالیٰ کے غضب سے خوف کھانا چاہیے کہ اپنی خود ساختہ تفسیر سے نبی معصوم کی عصمت پر حملہ کر رہے ہیں اور ان کا فرض ہے کہ اس باطل اور غلط تفسیر ونظریہ سے توبہ کریں۔اور برملا اپنی غلطی کا اعتراف کریں۔

دیکھئے حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہؒ کیسی صراحت کے ساتھ فرماتے ہیں کہ انبیاءؑ امتثالِ امر (ادائے فریضہ رسالت) میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتے۔چنانچہ شاہ صاحبؒ اپنے ایک مکتوب میں جس میں حاملین ملت اور فرق نوابت (خوددار فرقے) کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں............

تفصیلش آنکه پیغامبران اولی العزم را خدائے تعالی نفرستاده است الا برائے آنکه امر خود بزبان ایشان شائع گرداند وایشان هیچ وجه در امتثال امرِ الٰهی تقصیر نکرده اند، وابسته تبلیغ حقیقت	اس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبران اولو العزمؑ کو صرف اس لئے بھیجا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے امر وحکم کو ان کی زبانوں سے شائع کر دے اور پھیلا دے اور ان انبیاءؑ نے اللہ کے حکم کی تعمیل میں کسی طرح کوتاہی اور تقصیر نہیں کی اور

شرائع کرده اند بطریق شهرت و اشاعت، نه بطریق اخفا و کتمان، وسامعان حقیقت آں معانی ادراک کرده اند اگر ادراک نمی کردند پیغامبران متنبه می کردند وایشان را برغلط ایشان متبنه می ساختند.

بالیقین شرائع کی حقیقت کی تبلیغ کی ہے اور وہ بھی شہرت و اشاعت کے طریق پر اخفاء وکتمان کے طریق پر تبلیغ نہیں کی اور ان کے سامعین نے بھی ان معانی کی حقیقت کو خوب سمجھا ہے اگر ان کے سامعین ان معانی کا ادراک نہ کرتے تو انبیاءؑ خبردار ہوتے اور ان کی غلطی پر ان کو متنبہ کرتے۔

دراحتمال آنکه شارع بسیار چیزها می بتعلق بالشوع بجمهور نرسانیده است یا رسانیده لیکن سامعان غلط ادراک کردند، وشارع بر غلط ایشان اطلاع نیافت یا یافت لیکن سکوت کرد از نظر کردن درمنصب رسالت وقصد حضرت حق اظهار دین خود را بزبان ایشان مضمحل گردد.

پس یہ احتمال کرنا کہ شاید انبیاءؑ نے یعنی شارعؑ نے بہت سی چیزیں جن کا تعلق شریعت کے ساتھ ہے شاید عوام تک نہ پہنچائی ہوں یا پہنچائی تو ہوں لیکن سامعین نے ان کو سمجھنے سے غلطی کی ہو اور شارعؑ کو اس کی اطلاع ہی نہ ہوئی ہو یا اطلاع بھی ہوئی ہو لیکن آپ نے اس پر سکوت اور خاموشی اختیار کی ہو یہ بات منصب رسالت پر نظر کرنے سے اور اللہ تعالیٰ کے قصد و ارادہ پر نظر کرنے سے حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کا قصدوارادہ یہ ہے کہ اپنے دین کو انبیاءؑ کی زبانوں پر ظاہر اور غالب کردے یہ احتمال واعتراض خود بخود ہی کمزور و مضمحل ہوجاتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے یہ بات ثابت کی ہے جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ انبیاءؑ فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں کوتاہی کرتے ہیں تو وہ آدمی یقیناً اہلِ حق میں سے نہیں ہوگا بلکہ فرقِ نوابت (خوددارفرقوں) میں سے ہوگا۔ جیسا کہ شیعہ، خوارج، روافض، معتزلہ وغیرہ۔

نمبر[۲] : اہلِ سنت والجماعت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نبوت کسبی چیز نہیں ہے بلکہ اللہ جل شانہ جس کو پسند فرماتے ہیں اس کو اس منصب سے نوازتے ہیں چنانچہ شرح مواقف میں ہے (مواقف)

ولا یشرط فیه أی فی الارسال شرط

اور نبیؐ کے ارسال کرنے میں کسی قسم کی شرط

مــن الاعــراض والاحــوال الـمـكتسبة بالرياضـات، والمجاہدات فی الخلوات والانـقـطــاعــات ولا استعداد ذاتی من صـفــاء الـجـوهــر وذكــاء الـفـطرة كمـا يـزعــم الـحـكـمـاء بل اللّٰه سبـحـانـه يـختـص بـرحـمة مـن يشـاء من عبـاده فـاالـنبـوة رحمة ومـوهبة متعلقة بمشية فقط۔ (شرح مواقف صفحہ ۶۶۳)

نہیں، اعراض اور احوال کی جو ریاضت اور مجاہدہ سے خلوتوں میں اور لوگوں سے انقطاع میں حاصل کئے جاتے ہیں اور نہ ذاتی صفاتی جوہر اور ذکاوت فطری کی شرط ہے جیسا کہ حکماء کا خیال ہے بلکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ مختص فرماتے ہیں۔ جس کو چاہیں پس نبوت، رحمت اور وہبت یعنی بخشش ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ساتھ متعلق ہے۔

لیکن مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ ''حضرت لوطؑ حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے تھے اپنے چچا کے ساتھ عراق سے نکلنے اور کچھ مدت تک شام وفلسطین اور مصر میں گشت لگا کر دعوت وتبلیغ کا تجربہ حاصل کرتے رہے۔ پھر مستقل پیغمبری کے منصب پر سرفراز ہو کر اس بگڑی ہوئی قوم کی اصلاح پر معمور ہوئے'' (تفہیم القرآن جلد ۲ صفحہ ۵۱)

اس عبارت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ لوطؑ کو تجربہ دعوت کا پہلے نہ تھا۔ جب تجربہ حاصل ہو گیا اس کے بعد پیغمبری مل گئی۔ گویا لوطؑ امیدوار تھے نبوت کے۔ اس لئے پہلے تجربہ حاصل کرتے رہے۔ (العیاذ باللہ)

نمبر[۳] : حضرت ابراہیمؑ کے بارہ میں مودودی صاحب نے سورۃ انعام کی آیت ''فَـلَـمَّـا رَأَى الشَّـمْـس بَـازِغَةً...... الخ'' میں یہ تاثر دیا ہے کہ (العیاذ باللہ) کہ ابراہیمؑ گویا راستہ کی منزلوں پر شرک کرتے رہے۔ جب منزلِ مقصود پر پہنچے تو حید کامل ہوئی (اوکما قال) حالانکہ تمام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ اس کے بالکل خلاف ہے۔ کسی نبی نے ایک لحظہ بھر بھی کبھی شرک نہیں کیا۔

نمبر[۴] : حضرت نوحؑ کے متعلق جو کچھ مودودی صاحب نے تحریر کیا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

''اصل بات یہ ہے کہ انبیاءؑ بھی انسان ہی ہوتے ہیں اور کوئی انسان بھی اس پر قادر نہیں ہو سکتا کہ ہر وقت اس بلند ترین معیارِ کمال پر قائم رہے جو مومن کے لئے مقرر کیا گیا۔ بسا اوقات کسی نازک نفسیاتی موقع پر نبی جیسا اعلیٰ واشرف انسان بھی تھوڑی دیر کے لئے اپنی بشری کمزوری سے مغلوب ہو جاتا ہے''۔

اس کے بعد حضرت نوحؑ کے بیٹے کے سلسلہ میں مودودی صاحب لکھتے ہیں............

''لیکن جب اللہ تعالیٰ انہیں متنبہ فرماتا ہے کہ جس بیٹے نے حق کو چھوڑ کر باطل کا ساتھ دیا۔ اس کو محض اس لئے اپنا سمجھنا کہ وہ تمہاری صلب سے پیدا ہوا ہے۔ محض ایک جاہلیت کا جذبہ ہے تو وہ فوراً اپنے دل کے زخم سے بے پرواہ ہو کر اس طرزِ فکر کی طرف پلٹ آتے ہیں جو اسلام کا مقتضا ہے'' (تفہیم القرآن جلد ۲ صفحہ ۳۴۴ طبع اول)

ملاحظہ فرمایئے مودودی صاحب نے اللہ تعالیٰ کے انبیاءؑ کو ایک مومن کے مقام سے گرا کر کس طرح بشری کمزوریوں سے مغلوب بتلایا ہے۔ (العیاذ باللہ)

پھر اگر انبیاءؑ ہر وقت معیارِ کمال قائم نہیں رکھ سکتے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اطاعت مطلقہ کا حکم کیوں دیا ہے ''ومن یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ'' نیز مندرجہ ذیل حدیث پر غور فرمایئے۔

عن عبداللّٰہ ابن عمرؓ قال کنت اکتب کل شئ اسمع من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ارید حفظہ فینتھنی وقالوا تکتب کل شئ تسمعہ ورسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بشر یتکلم فی الغضب والرضا۔ فاسکت عن الکتابۃ فذکرت ذٰلك ای رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فاوما باصبعہ الی فیہ فقال اکتب ھو الذی نفسی بیدہٖ ما یخرج منہ الا حق (ابوداؤد صفحہ ۵۱۴)

حضرت عبداللہ بن عمر بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ میں جو چیز بھی نبی کریمؐ کی زبان مبارک سے سنتا تھا اس کو لکھ لیتا تھا۔ تاکہ میں اس کو یاد کر سکوں لوگوں نے مجھے اس سے منع کیا کہ تم جو چیز بھی سنتے ہو لکھ لیتے ہو حالانکہ رسول اللہؐ انسان ہیں۔ کبھی غصہ کی حالت میں بھی کلام کرتے ہیں اور رضاء اور خوشی کی حالت میں بھی تو میں لکھنے سے رک گیا۔ اور میں نے آنحضرتؐ کے سامنے اس کا ذکر کیا تو آپؐ نے اپنی انگلی مبارک اپنے دھن مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ لکھ لیا کرو۔ اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس منہ سے سوائے حق کے اور کچھ نہیں نکلتا۔

نیز ترمذی شریف جلد ۲ صفحہ ۲۹۳ میں یہ حدیث موجود ہے کہ صحابہ کرامؓ نے آنحضرتؐ کے سامنے عرض کیا کہ حضور آپ ہمارے ساتھ مزاح یا خوش طبعی بھی فرماتے ہیں۔ حضورؐ نے جواب میں فرمایا ''انی لا اقول الا حقًا'' کہ میں سوائے حق کہ اور کچھ نہیں کہتا جب مزاح یا غضب ورضا۔ اور کسی حالت میں بھی سوائے حق کے آپؐ کی زبان

مبارک سے کچھ صادر نہیں ہوتا تو پھر یہ کہنا کہ ہر حالت میں اس معیارِ کمال کو نبیؑ بھی قائم نہیں رکھ سکتے۔ نیز مودودی صاحب نے تفہیمات جلد نمبر ا میں آنحضرتؐ کی ذاتِ گرامی پر اَن پڑھ بدوی کا لفظ بھی اطلاق کرنے سے گریز نہیں کیا۔ (العیاذ باللہ) نیز مودودی صاحب نے حضرت نوحؑ میں جذبہ جہالت بھی ثابت کیا ہے۔ (العیاذ باللہ کتنا ظلم ہے)

نمبر[۵] : صحابہ کی طرف ایسی باتیں منسوب کی ہیں جن کی بنیاد موضوع روایات پر ہے اور قرآن اور صحیح احادیث کے مخالف ہیں سب سے پہلے ہم آپ کے سامنے صحابہ کے مشاجرات کے بارہ میں اہل سنت والجماعت کا عقیدہ پیش کرتے ہیں اور اس کے بعد مودودی صاحب کی غلطیاں)۔

واعتقاد اهل السنت والجماعت تزكية جميع الصحابة وجوبا۔ باثبات العدالة لكل منهم والكف عن الطعن فيهم والثناء عليهم كما اثنى اللّٰه سبحانه وتعالٰى عليهم اذ قال كنتم خير امةٍ أُخرجت لِلناس وقال تعالٰى وكذالك جعلنا كم أُمة وسطًا لتكونوا شهداء على النّاس (وسطا اى عدولاً والصحابة هم المشافهون۔ بهٰذا الخطاب على لسان النبى عليه السلام) حقيقةً--- (وكذا) وثناء اللّٰه عليهم اثنى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم روى عنه صلى اللّٰه عليه وسلم انه قال اصحابى كاالنجوم بايّهم اقتديتم اهتديتم (رواه الدارمى وابن عدى وغيرهما) انه صلى اللّٰه عليه وسلم قال خير القرون قرنى ثم الذين يلونَهُم۔

اہلِ سنت والجماعت کا اعتقاد یہ ہے کہ وجوبا یعنی لازمی طور پر تمام صحابہ کرامؓ کا تزکیہ کیا جائے اور ان میں سے ہر ایک صحابی کے لیے عدالت کا اثبات ہو اور ان کے متعلق طعن کرنے سے روکا جائے اور ان کی تعریف کی جائے جس طرح اللہ تعالٰی نے ان کی تعریف فرمائی ہے۔ جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے تم بہتر امت ہو جس کو لوگوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے نکالا گیا ہے۔ اور اسی طرح ہم نے تم کو ایک عادل امت بنایا ہے تا کہ تم لوگوں پر گواہ بنو نبیؐ کی زبان مبارک سے بالمشافہ خطاب ان آیات کے ساتھ حقیقتاً صحابہؓ سے کیا گیا ہے اور جس طرح اللہ تعالٰی نے صحابہؓ کی تعریف کی ہے اسی طرح نبیؐ نے بھی ان کی تعریف فرمائی ہے۔ چنانچہ حضورؐ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں۔ جس کی

(اخرجه الشيخان) وقال صلی اللّٰه عليه وسلم اللّٰه اللّٰه فی اصحابی لاتتخذوهم غرضا من بعدی فمن احبهم فبحبی احبهم ومن ابغضهم فببغضی ابغضهم۔ ومن اذاهم فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللّٰه ومن اذی اللّٰه يوشك ان ياخذه۔ اخرجه الترمذی (مسامرہ صفحہ ۲۱۳و۲۱۴)

اقتداء کرو گے ہدایت پاؤ گے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ بہترین زمانہ میرا ہے پھر میرے صحابہ کا۔ اورآنحضرتؐ نے فرمایا اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے بارہ میں میرے بعد ان کو لعن طعن کا نشانہ نہ بنانا جو ان سے محبت کرے گا وہ میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کرے گا اور جو ان سے بغض رکھے گا تو وہ میرے ساتھ بغض رکھنے کی وجہ سے ان سے بغض رکھے گا اور جو ان کو تکلیف دے گا وہ مجھے تکلیف دے گا اور جو مجھے تکلیف دے گا وہ اللہ تعالیٰ کو تکلیف دے گا اور جس نے اللہ کو تکلیف دی عنقریب اللہ اسے پکڑے گا۔

اسی طرح عبدالوہاب شعرانیؒ فرماتے ہیں۔

المبحث الرابع والاربعون فی بيان وجوب الكف عما شجر بين الصحابه رضی اللّٰه عنهم ووجوب اعتقاد انهم ماجورون وَذالكَ لانهم كلهم عدول باتفاق اهل السنة سواء من لابس الفتن ومن لم يلابسها كفتنة عثمان ومعاوية رضی اللّٰه عنهما ووقعة الجمل وكل ذالك وجوبًا لاحسان الظن بهم وحملاً لهم فی ذالك علی الاجتهاد فان تلك امور مبناها عليه وكل مجتهد مصيب او المصيب واحد والمخطئ معذور بل ماجور-----

چوالیسویں بحث صحابہ کے مشاجرات میں زبان کو روکنے کے وجوب کے بیان میں ہے اور یہ اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ وہ صحابہ ماجور ہیں اور یہ اس لئے کہ وہ تمام عادل ہیں اہل سنت کے اتفاق سے۔ خواہ ان کو فتنوں سے واسطہ پڑا ہویا نہ۔ جیسا کہ حضرت عثمان اور حضرت معاویہؓ کے زمانے کے فتنے جیسا کہ جنگ جمل وغیرہ کے واقعات لازمی طور پر ان سب میں صحابہ کی تعدیل ضروری ہے۔ کے ساتھ حسن ظن کی بناء پر اور ان کے واقعات اجتہاد پر محمول کرتے ہوئے کیونکہ یہ ایسے ہی امور ہیں جن کا مبنی اجتہاد پر ہے اور ہر مجتہد مصیب ہوتاہے یا مصیب تو ایک ہوتا ہے

ولاالتفات الى مايذكره بعض اهل السير فان ذالك لايصح وان صح فله تاويل صحيح وما احسن قول عمر بن عبدالعزيز تلك دماء طهر الله منها سيوفنا فلا نخضب بها السنتها وكيف يجوز الطعن فى حملة ديننا فيمن لم ياتنا خبر عن نبينا صلى الله عليه وسلم الا بواسطة هم فمن طعن فى الصحابة رضى الله عنهم فقد طعن فى نفس دينه فيجب سد الباب جملة واحدة
(اليواقيت والجواهر جلد٢ صفحه ٧٧)

لیکن غلطی کرنیوالا معذور بلکہ ماجور ہوتا ہے اور یہ جو بعض اہل سیر اور اہلِ تاریخ نے صحابہؓ کے بارہ میں بیان کیاہے۔ پہلے تو صحیح نہیں۔ اگر یہ روایات صحیح ہوں تو پھر ان کی تاویل ہوگی حضرت عمربن عبدالعزیزؒ نے کیا خوب فرمایاہے کہ یہ ایسے خون ہیں۔ جن سے اللہ تعالیٰ نے ہماری تلواروں کو پاک رکھا ہے تو ہم اپنی زبانوں کو ان سے نہیں رنگتے اور ان صحابہ کے متعلق طعن اورنکتہ چینی کیسے درست ہوگی حالانکہ ہمارے پاس نبیؐ کی احادیث اور دینی اخبار صرف ان صحابہ کے واسطہ سے ہی پہنچی ہیں اب جوشخص ان صحابہ پرطعن کرتاہے تو وہ نفس دین پر طعن کرتاہے اس لئے واجب ہے کہ اس دروازہ کوبالکل ایک دم ہی بند کردینا چاہیے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں۔

واكثر ما ينقل مختوع بالتعصب فى حقهم وما ثبت نقله فالتاويل متطرق اليه
(الاقتصاد فی الاعتقاد صفحہ۱۰۸)

اور جو باتیں صحابہؓ کے بارہ میں تاریخ وغیرہ میں نقل کی گئی ہیں اکثر من گھڑت ہیں جو تعصب کی بناء پر ان کے بارہ میں بنائی گئی ہیں اور جن باتوں کا ثبوت ہے ان کی تاویل ہوسکتی ہے۔

اسی طرح ابن حجر مکی الہاشمیؒ بھی اسی طرح اپنی کتاب تطہیر الجنان صفحہ۴،۵ میں لکھتے ہیں امام ابن صلاح (۵۷۷ ـــــــ ۶۴۳) لکھتے ہیں............

(الثانية) للصحابة باسرهم خصيصة وهى

تمام صحابہؓ کی ایک خصوصیت ہے کہ کسی

انه لايسأل عن عدالة احد منهم بل ذالك امر مفروغ منه لكونهم على الاطلاق معدلين منصوص الكتاب والسنة واجماع من يعتدبه فى الاجماع من الامة قال اللّٰه تبارك وتعالٰى كنتم خير امةٍ اخرجت للناس الآية۔ قيل اتفق المفسرون على انه وارد فى اصحاب رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وقال تعالٰى وكذٰلك جعلنا كم امة وسطا لتكونوا شهداء على الناس وهٰذا خطاب مع الموجودين حينئذ وقال سبحانه وتعالٰى محمدٌ رسول اللّٰه والذين معه اشداءُ على الكفار الآية۔ وفى نصوص السنة الشاہدة بذالك كثرة منها حديث ابى سعيد المتفق على صحته ان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال لا تسبوا اصحابى فو الذى نفسى بيدهٖ لو ان احدكم انفق مثل احد ذهبًا ما ادرك مد احدهم ولَانصيفه۔ ثم ان الامة مجمعة على تعديل جميع الصحابة ومن لابس الفتن منهم

صحابی کی عدالت کے بارہ میں سوال نہیں کیا جاسکتا بلکہ یہ ایک طے شدہ امر ہے کہ تمام صحابہؓ عادل ہیں۔ کیونکہ علی الاطلاق کتاب و سنت کی نصوص اور معتدبہ لوگوں کے اجماع سے صحابہ کی تعدیل ثابت ہے اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے کہ تم بہترین امت ہو۔ جس کو لوگوں کی رہنمائی کیلئے نکالا گیا اور یہ کہا گیا ہے کہ مفسرین کرامؒ کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیات رسول اللہؐ کے صحابہ کے بارہ میں وارد ہوئیں۔ دوسری آیت میں ہے کہ ہم نے تمہیں افضل امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بن جاؤ اور یہ خطاب ان لوگوں سے ہے جو حضورؐ کے زمانہ مبارک میں موجود تھے اور اسی طرح اللہ تعالٰی کا فرمان ہے کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ اور وہ لوگ جو آپؐ کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت ہیں اور سنت میں اس قسم کی نصوص بکثرت موجود ہیں جن سے صحابہ کی تعدیل ہوتی ہے۔ چنانچہ ان احادیث میں ایک حدیث ابو سعید خدریؓ سے منقول ہے۔ جس کی صحت پر محدثین کا اتفاق ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میرے صحابہ کو برا مت کہو۔ اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم میں کوئی اُحد پہاڑ کے برابر

فکذالك باجماع العلماء الذی یعتدبهم فی الاجماع احسانا للظن بهم ونظرا الٰی ما تمهد بهم من المآثر وکأن اللّٰه سبحانهٗ وتعالٰی اتاح الاجماع علی ذالك لکونهم نقلة الشریعة۔ (مقدمه فی علوم الحدیث لابن الصلاح صفحه ٢٦٤، ٢٦٥)

سونا اللہ کی راہ میں صرف کرے تو میرے صحابی کے ایک مُد کے برابر بھی نہیں پہنچ سکتا (مُد تین پاؤ کے برابر ایک پیمانہ ہوتاہے) امام ابن الصلاحؒ فرماتے ہیں۔ کہ امت تمام صحابہ کی تعدیل پر متفق ہے۔ اور جن صحابہؓ کو فتنوں سے واسطہ پڑا ہے ان کی تعدیل بھی ان تمام علماء کے اجماع سے ثابت ہے۔ جو قابل اعتماد اور لائق اعتبار اور یہ صحابہ کے ساتھ حسن ظن کی بناء پر ہے اور اس لئے کہ ان کے آثر وفضائل ثابت شدہ ہیں۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے امت کے لئے صحابہ کی تعدیل پر اجماع مقرر کر دیا ہے کیونکہ وہ شریعت کے نقل کرنے والے ہیں۔

ان تمام عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ صحابہ کے درمیان مشاجرات اور لڑائیوں کے بارہ میں آنے والے تمام لوگوں کا فرض ہے کہ اپنی زبانوں کو روک رکھیں اور کسی قسم کا طعن یا تنقید وغیرہ سے لب کشائی نہ کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں صحابہ کی تعریف کی ہے اور حضرت محمدؐ نے اپنی زبان مبارک سے ان کے فضائل ومناقب بیان فرمائے ہیں۔ اگر ان سے کچھ کوتاہیاں بھی ہوئی ہوں تو چونکہ وہ مجتہد تھے اور مجتہد سے اگر خطاء بھی سرزد ہو تو اس کو ثواب ملتا ہے۔ تاریخ کی کتابوں میں صحابہ کرامؓ کے بارہ میں جو طعن وغیرہ مذکور ہیں اکثر تو ان میں صحیح نہیں اور جو صحیح ہیں ان کی تاویل کی جاسکتی ہے۔ اس کے بعد اب مودودی صاحب کا مسلک ملاحظہ فرمایئے۔ مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ ....

’’لیکن ان کے بعد جب حضرت عثمانؓ جانشین مقرر ہوئے تو رفتہ رفتہ وہ اس پالیسی سے ہٹتے چلے گئے۔ انہوں نے پے در پے اپنے رشتہ داروں کو بڑے بڑے اہم عہدے عطاء کئے اور ان کے ساتھ دوسری ایسی رعایات کیں جو عام طور پر لوگوں میں ہدف اعتراض بن کر رہیں۔ عبداللہ بن معد بن ابی سرح افریقہ کا خمس مدینہ لائے اور مروان بن الحکم نے اسے پانچ لاکھ دینار میں خرید لیا پھر حضرت عثمانؓ نے یہ قیمت اس کو معاف کر دی۔ (خلافت و

ملوکیت صفحہ ۱۰۶)

دراصل یہ طعن حضرت عثمانؓ پر خوارج نے کیا تھا۔ چنانچہ ابن حجر مکیؒ لکھتے ہیں کہ

(تتمه) نقم الخوارج عليه رضى الله عنه امورا التى هو منها برئ ومنها انه اسرف فى بيت المال حيث اعطى اكثره لاقاربه كالحكم الذى رَدَّهٗ للمدينة وكان النبى صلى الله عليه وسلم نفاهٗ عنها الى الطائف وكاتبه مروان اعطاه مائة الف وخمس افريقية... وجواب ذالك ان اكثر ذالك مختلق عليه ورده الحكم انما كان لكونه صلى الله عليه وسلم وعده بذالك لما استاذنه۔ فنقله للشيخين فلم يقبلاه لكونه واحدا فلما ولى قضى بعلمهٖ كما هو قول اكثر الفقهاء على ان الحكم تاب مما نفى لاجله والحق فى مروان لما تعذر نقله من اثاث افريقية وحيوانها۔

خوارج نے جن باتوں کی نکتہ چینی حضرت عثمانؓ پر کی ہے حالانکہ وہ ان سے بری ہیں۔ ان باتوں میں ایک یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے بیت المال کے مال کو بے جا صرف کیا۔ جبکہ اکثر حصہ انہوں نے اپنے اقرباء کو دیا۔ جیسا کہ حکم جس کو انہوں نے مدینہ کی طرف واپس لوٹا دیا۔ جب کہ حضورؐ نے انہیں طائف کی طرف جلا وطن کیا تھا اور جیسا کہ مروان کو ایک لاکھ اور افریقہ کا خمس دیا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان میں اکثر باتیں بالکل من گھڑت ہیں اور حکم کا واپس لوٹانا اس بناء پر تھا کہ حضورؐ نے حضرت عثمانؓ سے اس کا وعدہ فرمایا تھا۔ جب انہوں نے اجازت طلب کی تھی۔ شیخینؓ کے سامنے حضرت عثمانؓ نے جب یہ اجازت کا معاملہ پیش کیا تو شیخینؓ نے اسے قبول نہ کیا کیونکہ اس کے نقل کرنے والے صرف حضرت عثمانؓ تھے لیکن جب حضرت عثمانؓ برسر خلافت آئے تو انہوں نے اپنے علم کے مطابق فیصلہ کیا۔ جیسا کہ اکثر فقہاء کا قول ہے علاوہ ازیں حکم نے اس بات سے توبہ کر لی تھی جس کی وجہ سے جلاوطنی

اشتـــراہ۔ مـــن ابـــی ســـرح الامیـــر بـــمـــائة الف۔ فـــقـــد نـــقـــد اکثـــر وسبـــق مبشـــراً بـــفـــتـــحـــهـــا۔ فتـــرك عثـــمـــان مـــنـــه البـــقیة جـــزاء لبشـــارتـــه فـــان قـــلـــوب الـــمســـلـــمیـــن كـــانـــت فـــی غـــایـــة الـــقـــلـــق بشدة امـــر افـــریـــقیة لـــلامـــام ان یـــعـــطـــی البشیـــر مـــا یـــراه لائـــقـــاً بتـــعبـــه۔ (الـــصـــواعـــق المحرقه صفحه ۱۱۳)

ہوئی تھی اور مروان کے معاملہ میں حق بات یہ ہے کہ جب افریقہ سے مال خمس کا سامان اور جانوروں کا منتقل کرنا دشوار ہوگیا تو افریقہ کے امیر ابی سرح سے مروان نے اس کو ایک لاکھ میں خرید لیا اور اکثر نقد کی شکل میں منتقل کرلیا اور بشارت لے کر جلدی دار الخلافہ مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوگیا اور کچھ باقی ماندہ حصہ حضرت عثمانؓ نے اس کی بشارت کی وجہ سے اس کی طرف چھوڑ دیا کیونکہ مسلمانوں کے دل افریقہ کے بارہ میں نہایت بے چین تھے اور امام کو اختیار ہے کہ بشارت پہنچانے والے کی مشقت کے مطابق اس کو بدلہ دے۔

اور ملاحظہ فرمایئے کہ اصل واقعات کیا ہیں اور مودودی صاحب کس طرح قرآن واحادیث کی تصریحات کو چھوڑ کر ایک غلط روایت کو لے کر اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے خلاف لکھتے ہیں۔ دوسرے مقام پر مودودی صاحب لکھتے ہیں ''حضرت عثمانؓ کی پالیسی کا یہ پہلو بلاشبہ غلط تھا اور غلط کام بہرحال غلط ہے خواہ وہ کسی نے کیا ہو اس کو خواہ مخواہ کی سخن سازیوں سے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرنا نہ عقل وانصاف کا تقاضا ہے اور نہ دین کا ہی یہ مطالبہ ہے کہ کسی صحابی کی غلطی کو غلطی نہ مانا جائے۔(خلافت وملوکیت صفحہ ۱۱۶)

معلوم نہیں کہ مودودی صاحب کو اہل سنت والجماعت کا مذکورہ بالا عقیدہ یا تو منظور ہی نہیں یا اپنے آپ کو ان حضرات سے اونچا سمجھتے ہیں اگر مودودی صاحب دین صرف قرآن واحادیث ہی سے سمجھتے ہیں تو قرآن واحادیث کی تصریحات بھی آ گئی ہیں۔ کہ صحابہؓ کے بارہ میں کیا عقیدہ رکھنا چاہیے۔ دوسری جگہ مودودی صاحب لکھتے ہیں۔

مدینہ منورہ میں جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی تو حضرت سعد بن عبادہؓ نے قبائلی عصبیت ہی کی بنا پر ان کی خلافت تسلیم کرنے سے اجتناب کیا۔(خلافت وملوکیت صفحہ ۹۷)

حالانکہ یہ واقعہ غلط بیان کیا گیا ہے کیونکہ مسند احمد اور الصواعق المحرقہ میں روایت ہے کہ حضرت سعدؓ نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ اور طبری کی جس مبہم سی روایت کو مودودی صاحب نے الزام لگایا ہے۔ اسی طبری میں اس روایت کے بعد متصل دو روایتیں ہیں جن میں صاف تصریح ہے کہ حضرت سعد بن عبادہؓ نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ لیکن مودودی صاحب نے ان روایات سے صَرفِ نظر کر کے ایک مبہم سی روایت کی بنیاد پر حضرت سعدؓ جیسے جلیل القدر صحابی رسول پر قبائلی عصبیت میں مبتلا ہونے کا شرمناک الزام لگایا۔ فیا اسفا۔ (ملاحظہ تاریخ الخلفاء صفحہ ۵۹، الصواعق المحرقہ صفحہ ۱۲ ۔ النبراس علی شرح عقائد صفحہ ۴۹۴)

علاوہ ازیں صحابہؓ کے اخلاص کو مودودی صاحب نے نہایت ہی شرمناک طریقہ پر مجروح کیا ہے۔ چنانچہ مودودی صاحب تفہیمات جلد ثانی میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور سعد بن ربیع ؓ کے بھائی چارہ کے واقعہ جس کو بخاری اور ترمذی میں نقل کیا گیا۔ کہ سعد نے از راہِ احسان و ہمدردی اور خلوص کی یہاں تک پیش کش کر دی تھی۔ کہ میرے نکاح میں دو بیویاں ہیں۔ تم جس کے متعلق چاہو میں طلاق دے دوں اور عدت ختم ہونے پر تم ان سے نکاح کرلو۔ بخاری شریف، میں ''بناصفہ'' کا لفظ ہے کہ ہر چیز نصف نصف تقسیم کرلیں۔ مگر افسوس صد افسوس کہ مودودی صاحب نے بدری صحابی کے اس خلوص کو یہودی اخلاق کا نتیجہ بتلایا (العیاذ باللہ)

نمبر[۶] : ڈاڑھی کی مقدار کے بارہ میں مودودی صاحب لکھتے ہیں............

''جواب یہ تو انہی علماء سے پوچھنا چاہیے کہ ان کے پاس مقدار تعین کے لئے کیا دلیل ہے اور خصوصاً فسق کی وہ کیا تعریف کرتے ہیں۔ جس کی بناء پر ان کی تعین کردہ مقدار سے کم ڈاڑھی رکھنے والے پر فاسق کا اطلاق ہوسکتا ہے مجھے سخت افسوس ہے کہ بڑے بڑے علماء خود حدودِ شرعیہ کو نہیں سمجھتے اور ایسے فتوے دیتے ہیں جو صریحاً حدودِ شرعیہ سے متجاوز ہیں۔ ڈاڑھی کے متعلق شارع نے کوئی حد مقرر نہیں کی ہے۔ علماء نے جو حد مقرر کرنے کی کوشش کی ہے وہ بہر حال ایک استنباطی چیز ہے اور کوئی استنباط کیا ہوا حکم وہ حیثیت حاصل نہیں کرسکتا جو نص کی ہوتی ہے''
(رسائل ومسائل حصہ اول صفحہ ۱۴۹، ۱۵۰) آگے لکھتے ہیں۔

''کسی شخص کو اگر فاسق کہا جاسکتا ہے تو صرف حکم منصوص کی خلاف ورزی پر کہا جاسکتا ہے۔ حکم مستنبط کی خلاف ورزی (چاہے استنباط کسی ہی بڑے عالم کا ہو) فسق کی تعریف میں نہیں آتی'' ملاحظہ فرمائیں مودودی صاحب

نے نہ صرف اہل سنت والجماعت کے مسلک کے خلاف لکھا ہے بلکہ تمام علماء امت کی ساعی پر پانی پھیر دیا ہے۔ مودودی صاحب کا یہ کہنا کہ شارع نے کوئی حد مقرر نہیں کی ہے بالکل غلط ہے کیونکہ ڈاڑھی کے متعلق پانچ مرفوع احادیث آتی ہیں۔جن کے الفاظ[۱] اعفوا۔ [۲] واوفوا [۳] واخوا [٤] ووفروا [٥] وارجوا۔

ومعنا ھا کلھا ترکھا علی حالھا ہذا ھو الظاھر من الحدیث الذی یقتضیہ الفاظہٗ۔ (نووی شرح مسلم جلد۱ صفحہ۱۲۹)	ان سب الفاظ کا معنیٰ ایک ہی ہے کہ ڈاڑھی کو اپنے حال پر ہی چھوڑ دیا جائے حدیث کے الفاظ سے یہی ظاہر ہے۔

سب الفاظ میں ڈاڑھی بڑھانے کا حکم ہے، کاٹنے کا حکم نہیں۔ پھر سب علماء اس پر متفق ہیں کہ صحابی اگر ایک عمل کرے جو غیر مدرک بالقیاس ہو تو اس کا حکم مرفوع حدیث کی طرح ہے اور لامحالہ یہی کہنا پڑے گا (صحابی نے جب یہ عمل کر دیا ہے اور قیاس وعقل کی اس میں گنجائش نہیں ہے) کہ حضورؐ سے سنا ہوگا یا آپؐ کو ایسا عمل کرتے دیکھا ہوگا۔ چنانچہ عبداللہ ابن عمرؓ جو حضورؐ کے اتباع میں بہت مشہور ہیں ان کے بارہ میں بخاری کی روایت میں ہے۔

وکان ابن عمر رضی اللّٰہ عنھما اذا حج او عمّر قبض علی لحیۃ فما فضل اخذہ۔ (بخاری جلد۲ صفحہ۸۷۸)	اور عبداللہ بن عمرؓ جب حج یا عمرہ کرتے تھے تو اپنی ڈاڑھی کو قبضہ میں پکڑتے تھے۔ جو حصہ قبضہ سے زائد ہوتا تھا اس کو کاٹ دیتے تھے۔

امام ابی داؤدؒ اپنی سند کے ساتھ مروان المقفعؒ سے روایت کرتے ہیں۔

قال رئیت ابن عمر رضی اللّٰہ عنھما یقبض علی لحیۃ فیقطع مازادت علی الکف۔ (ابوداؤد جلد۱ صفحہ۲۲۱)	کہ میں نے ابن عمرؓ کو دیکھا ہے کہ ڈاڑھی کو قبضہ کے نیچے لیتے تھے اور زائد حصہ کو قطع کر دیتے تھے۔

اب ابن عمرؓ قبضہ سے زیادہ کو تو کاٹتے ہیں اور کم کو نہیں کاٹتے۔ ابن عمرؓ کا یہ فعل غیر مدرک بالرائے ہے اس لئے یہ حدیث مرفوع کی طرح ہوگا تو گویا امت کے لئے دو قسم کی نصوص موجود ہیں۔ مطلقاً ڈاڑھی کو بڑھانا۔ قبضہ تک بڑھانا۔ اب آپ اپنے مقتدا مودودی صاحب کے الفاظ پر نظر ڈالیں ''ڈاڑھی کے متعلق شارع نے کوئی حد مقرر نہیں کی'' کیا یہ غلط اور باطل نظریہ نہیں حد تو مقرر ہے جیسے پہلے معلوم ہو چکا ہے۔ مودودی صاحب کا یہ کہنا کہ ''علماء نے جو حد مقرر کی ہے وہ استنباطی چیز ہے'' یہ بھی غلط ہے۔ یہ علماء کا استنباط نہیں صحابی رسولؐ کا عمل ہے۔ اور وہ مرفوع

حدیث کے حکم میں ہے مودودی صاحب کا یہ کہنا کہ ''کسی شخص کو اگر فاسق کہا جاسکتا ہے تو صرف حکم منصوص کی خلاف ورزی پر کہا جاسکتا ہے'' موصوف کا یہ کہنا بھی سراسر غلط ہے یہ حکم علماء کا مستنبط کیا ہوا نہیں بلکہ صحابی کا عمل ہے۔ جو حکم منصوص کی طرح ہے۔ ڈاڑھی کے بارہ میں ائمہ اربعہ مقلدین کا جو فتویٰ ہے وہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

مذهب الحنفية قال في الدر المختار ويحرم على الرجل قطع لحية (درمختار صفحه ۲۸۸) واما الاخذ منها وهي دون ذالك كما يفعله بعض المغاربه ومخنثة الرجال فلم يجه احدا و كلها كما هو فعل الهنود ومجوس الاعاجم (فتح القدير جلد ۲ صفحه۷۷، طبع مصر)

احناف کا مسلک درمختار میں ہے کہ قبضہ سے کم ڈاڑھی کا کاٹنا حرام ہے۔ لیکن قبضہ سے کم اس کو کاٹنا جیسا کہ بعض اہل مغرب کا دستور ہے یا جیسا کہ مخنث قسم کے لوگ کرتے ہیں تو اس کو (علماء وفقہاء) میں سے کسی نے جائز اور مباح نہیں سمجھا۔ باقی سب ڈاڑھی کو صاف کردینا یہ تو ہنود اور عجمی مجوسیوں کا شیوہ ہے۔ ڈاڑھی کو قبضہ سے کم کاٹنا کسی نے مباح خیال نہیں کیا۔

قال العلائی فی کتاب العصوم قبيل فصل العوارض ان الاخذ من اللحية وهي دون القبضة كما يفعله بعض المغاربة مخنثة الرجال لم يجه احد واخذ كلها فعل يهود الهنود و مجوس الاعاجم فحيث أدمن على فعل ہذا المحرم يفسق وان لم يكن ممن يستخفونه ولايعدونه قادحا للعدالته والمروّة (بوادر النوادر صفحہ ۱۰۵ تنقیح فتاویٰ حامدیہ جلد ۱ صفحہ ۳۵۱)

اورسب ڈاڑھی صاف کر دینا ہندوستان کے ہنود اور عجم کے مجوسیوں کا شعار ہے۔ پس جب اس فعل حرام پر (ڈاڑھی کے منڈوانے پر) مداومت کرے گا تو اس پر فسق کا حکم لگایا جائے گا اگرچہ وہ اس کو مباح نہ سمجھتا ہو۔ اور چاہیے وہ اس کو عدالت اور مروت کے خلاف نہ سمجھتا ہو۔

قبضہ سے کم ڈاڑھی کا کٹانا یا بالکل منڈوانا ہنود اور مجوسِ اعاجم کا فعل ہے اور اس کو کسی نے مباح نہیں سمجھا ہے اور جو شخص اس فعل پر دوام کرے وہ فاسق ہوگا

وقد اتفقت المذاهب الاربعة علی وجوب توقير اللحية وحرمة حلقها والاخذ القريب منه۔(حلیۃ المسلمین صفحہ۴۲)	مذاہب اربعہ اس بات پر متفق ہیں کہ ڈاڑھی رکھنا اور اس کا بڑھانا واجب اور اس کا منڈوانا اور قبضہ سے کم کٹوانا حرام ہے۔

علماءِ مذاہب اربعہ تو حضورؐ کے اس حکم کے وجوب پر معمول کرتے ہیں اور اس پر عمل نہ کرنے والے کو مرتکب حرام سمجھتے ہیں لیکن آپ کے مقتدا مودودی صاحب یہ کہہ رہے ہیں کہ صریح حکم ڈاڑھی کے بارہ میں نہیں ہے۔ بالآخر اتنے بڑے بڑے علماء جس میں ائمہ اربعہ بھی داخل ہیں حدودِ شرعیہ کو نہیں جانتے صرف مودودی صاحب ہی حدودِ شرعیہ کو جانتے ہیں۔اب خود انصاف کریں کہ اس مسئلہ میں مودودی صاحب کے الفاظ کس قدر سخت اور وحشت ناک ہیں پھر صرف اس پر ہی اکتفاء نہیں کیا بلکہ وہ کہتے ہیں۔

’’میں اسوہ اور سنت اور بدعت وغیرہ اصطلاحات کے ان مفہومات کو غلط بلکہ دین میں تحریف کا موجب سمجھتا ہوں جو بالعموم آپ حضرات کے ہاں رائج ہیں۔آپ کا یہ خیال کہ حضورؐ جتنی بڑی ڈاڑھی رکھتے تھے اتنی ہی بڑی ڈاڑھی رکھنا سنت رسولؐ یا اسوہ رسولؐ ہے یہ معانی رکھتا ہے کہ آپ عاداتِ رسول کو بعینہ سنت سمجھتے ہیں جس کے جاری اور قائم کرنے کے لئے نبیؑ اور دوسرے انبیاءؑ مبعوث کئے جاتے رہے۔مگر میرے نزدیک یہی نہیں کہ یہ سنت کی صحیح تعریف نہیں ہے بلکہ میں یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ اس قسم کی چیزوں کو سنت قرار دینا اور پھر ان کی اتباع پر زور دینا ایک سخت قسم کی بدعت اور خطرناک تحریف دین ہے۔جس سے نہایت برے نتائج پہلے بھی ظاہر ہوتے رہے ہیں اور آئندہ ظاہر ہونے کا خطرہ ہے‘‘۔(ترجمۃ القرآن مارچ،اپریل،مئی،جون ۱۹۴۶ء صفحہ ۱۷۸،۱۷۹)

ان الفاظ پر تبصرہ کرنے سے پہلے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ جو انسان بھی صحیح راستہ سے بھٹک جاتا ہے اور بزرگوں کی عزت کو بالائے طاق رکھ دیتا ہے اور من مانے فتوے جاری کرتا ہے تو قدرت اس سے انتقام لیتی ہے اور اس کی غلطیوں کو تمام لوگوں کے سامنے آشکارا کر دیتی ہے۔ملاحظہ فرمایئے، یہاں اس مقام پر مودودی صاحب ڈاڑھی کو عادتِ رسولؐ کہتے ہیں مگر دوسری جگہ لکھتے ہیں’’ڈاڑھی رکھنا نہ صرف یہ کہ فعلی سنت ہے بلکہ نبیؐ نے اس کے رکھنے کا حکم دیا ہے اور منڈوانے سے منع کیا ہے‘‘۔(رسائل والمسائل حصہ نمبر۴ صفحہ ۸۴،۸۵)

اس عبارت میں صاف اقرار ہے کہ ڈاڑھی کے بارہ میں حضورؐ نے حکم دیا ہے اور پہلی عبارت میں کہتے ہیں کہ ڈاڑھی حضورؐ کی سنت فعلی ہے۔انصاف سے خود اندازہ لگایئے کہ ان دونوں میں کتنا تعارض و تضاد ہے مودودی

صاحب پر ضال ومضل کا فتویٰ لگانے سے آپ چڑتے ہیں۔ لیکن مودودی صاحب کا فتویٰ کہ تمام علماء جن میں ائمہ اربعہ بھی ہیں ان سب پر تحریف فی الدین کا فتویٰ لگا رہے ہیں۔ جیسا کہ پہلے مذاہب اربعہ کا نظریہ واضح ہو چکا ہے کہ ڈاڑھی رکھنا واجب ہے اور اس کا تارک فاسق ہے پھر ترجمان کی عبارت سے ظاہر ہے کہ مودودی صاحب نے سنن کو عادت میں شمار کیا ہے حالانکہ علماء محدثین کی متفقہ رائے ہے کہ ان پر حضورؐ دوام نہیں فرماتے تھے۔ کبھی ترک بھی فرماتے تھے اگر ڈاڑھی بھی عادت میں ہوتی تو آپ اس کو بھی کبھی ترک فرماتے لیکن کسی روایت میں اس کا ذکر نہیں اور نہ کسی صحابی سے منقول ہے۔

یہ چند باتیں صرف مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر پیش کی ہیں ورنہ مودودی صاحب کی تحریرات میں وہ باتیں بھی ہیں۔ جو نہایت غلط اور شرمناک ہیں۔ اصولی باتیں بھی ہیں۔ جو عقائد سے تعلق رکھتی ہیں اور فروعات بھی ہیں۔ عیسیٰؑ کے رافع آسمانی کو مشتبہات میں شمار کرنا اور مسلک جمہور کے خلاف حضرت خضرؑ کے بارہ میں کہنا کہ وہ انسان نہیں تھے اور صحابہ کی شان کو جس بے دردی کے ساتھ مودودی صاحب نے مجروح کیا ہے کسی رافضی کی بھی جرأت نہ تھی بلکہ خوارج کے بھی کان کاٹ دیئے خاص طور پر خلیفہ راشد حضرت عثمانؓ اور بدری صحابی سعد بن عبادہؓ پر مودودی صاحب نے نہایت ہی شرمناک الزام لگائے ہیں۔ حضرت عمرو بن العاصؓ اور امیر معاویہؓ اور مغیرہ بن شعبہؓ کی شان میں جو گستاخیاں کی ہیں۔ یقیناً اگر مودودی صاحب اس سے تائب نہ ہوئے تو عذابِ الیم کا شکار ہوں گے۔

صحابہ کے اخلاق کو یہودی اخلاق پر معمور کرنا۔ تصوف، سلوک کی تعلیم وتربیت کو جس پر جمہور سلف، خلف عمل پیرا رہے۔ افیونی کے ساتھ تشبیہ دینا اور حدیث کی اسناد میں شک کرنا اور صحیح احادیث کو اس لئے رد کرنا کہ وہ عقل کے خلاف ہیں اس بارہ میں مودودی صاحب معتزلہ سے بھی چار قدم آگے نکل گئے ہیں۔ (تفہیم القرآن جلد نمبر ۴ صفحہ نمبر ۳۳۷)

پھر مودودی صاحب کا یہ کہنا کہ منسوخ شدہ حکم دوبارہ لوٹ کر آسکتا ہے جب حالات ایسے ہوں۔ پھر جمہور سلف، خلف کے خلاف عورت کی خلافت وصدارت کا مسئلہ مودودی صاحب نے کھڑا کیا ہے اور اس کو جائز رکھا۔

اپنے پروپیگنڈہ کے لئے کعبہ کے نام زد غلاف کو چکر لگوایا اور نذرانے وصول کئے۔ داعی اسلام کی تمام جدوجہد آج مغربی جمہوریت کے بحال کرنے کے لئے وقف ہے جو سراسر شیطانی جمہوریت ہے۔ جس کو اسلام کے ساتھ دور کا واسطہ بھی نہیں ہے۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

محمد واجد معاویہ ہزاروی
متعلم جامعہ نصرۃ العلوم

پیغمبر علیہ السلام کی دینی دعوت اور کفار کے منفی عزائم

جناب پیغمبر اسلام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالی کی طرف سے نبوت ملنے کے بعد احکامِ الٰہیہ و دینیہ کی اشاعت کا حکم موصول ہوتے ہی دعوتِ دین کا آغاز فرمایا، حضور علیہ السلام کی دعوت کے مرکزی طور پر دو دور ہیں۔

۱۔ مکی دور۔ ۲۔ مدنی دور۔

اور پھر ان میں ضمنی طور پر کئی مراحل ہیں۔

مکی دور میں آپ علیہ السلام نے امت کی بنیاد ڈالی جبکہ مدنی دور میں اسلامی ریاست کی تاسیس فرمائی۔ مکی دور میں تبلیغِ اسلام کی ابتدا آپ علیہ السلام نے اپنے گھر اور پھر قریبی رشتہ داروں سے فرمائی کیوں کہ حکمِ الٰہی کا منشاء یہی تھا ''وانذر عشیرتك الاقربین'' اسی بنیاد پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین سال تک خفیہ طور پر دعوتی مہم کا سلسلہ جاری رکھا، جس کے نتیجے میں چالیس یا پچاس لوگوں نے مشرف با اسلام ہو کر صحابیت کا تاج پہنا اور تاریخ اسلام میں ''والسّٰبقون الاولون'' کا باب قائم کیا۔

بعد ازاں ''فاصدع بما تؤمر'' کی شکل میں اعلانیہ دعوت کا حکم نازل ہوا تو پیغمبرِ انسانیت نے فاران کی چوٹی پر جلوہ افروز ہو کر دعوتِ اسلام کی اعلانیہ طور پر ابتدا کی، اور زبانِ نبوت سے اعلان ہوا ''ایھا النّاس'' یہ ایسا نقطۂ آغاز تھا جس سے بلغاء قحطان و عدنان سب سمجھ چکے تھے کہ اس دعوت کا دائرہ صرف قریش یا عرب تک محدود نہیں بلکہ پوری کائنات کو یہ محیط ہے۔

لیکن اہل مکہ و طائف کی زبانوں پہ روزِ اول سے یہ اعتراض بدستور اچھلتا رہا کہ ''لو لا نزّل ھٰذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم'' جبکہ پیغمبرِ علیہ السلام نے بغیر پرواہ کیے مسلسل تیرہ سال رات دن دعوتِ

دین کے لیے انتھک محنت فرما کر امت محمدیہ کی جڑیں مضبوط کر دیں۔

اس دعوتی محنت کے دوران پیغمبر علیہ السلام کو کئی کٹھن مراحل طے کرنے پڑے۔

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کی دینی دعوت کا بنیادی ذریعہ قرآن کریم تھا۔

آپؐ منڈیوں اور تجارتی میلوں سمیت دیگر اجتماعات میں جا کر قرآنی فرمان ''یتلو علیھم آیاتہ'' کا عملی نمونہ پیش فرماتے رہے۔

جبکہ مد مقابل مشرکین کے منفی عزائم بھی آپ علیہ السلام کی اس دعوت کی طرف اس طرح مبذول رہے کہ جب حضورؐ لوگوں کو قرآن کریم سناتے تو حریفِ مخالف کی ترجمانی کرتے ہوئے خود پیغمبر کا چچا بھی کہتا کہ یہ ساحر و مجنون ہے اس کی بات سنجیدگی سے نہ سنیں، جس کی منظر کشی قرآن نے ان الفاظ میں کی ''وقالوا مجنون وازدجر'' لیکن آسمانِ دنیا کے سینے میں معلّق چانداور ریگزارِ عرب سمیت کائنات کے جمادات و نباتات بھی گواہی دیتے رہے کہ پیغمبر کی دعوت حق و سچ پر مبنی ہے۔

جب کفار کی جد و جہد اور کوششیں اس مرحلے میں ناکام ہوئیں تو مشرکین کے رؤساء نے یہ ایجنڈا پیش کیا کہ آپ علیہ السلام کی دعوت کے سدِ باب کے لیے قرآنی محافل میں شور وغل کا بازار گرم کیا جائے، شاید ہم غالب آ جائیں۔ جس کا منظر قرآن خود بیان کرتا ہے ''وقال الذین کفروا لا تسمعوا لھٰذا القرآن والغوا فیہ لعلکم تغلبون'' کفار نے قرآنی محافل میں سرگوشیوں اور چہ می گوئیوں کا درجہ عبور کر کے ہٹ دھرمی کے منبروں سے شور وغل کی صدائیں بلند کیں لیکن اس دفعہ بھی ناکامی کفار کی مقدر بنی۔

کفارِ قریش کا اگلا ہدف یہ طے پایا کہ پیغمبر علیہ السلام کی دعوت کے مدِ مقابل لہو لعب کا محاذ قائم کیا جائے تاکہ عوام کی افکا اس طرف مبذول ہو جائیں، قرآن حکیم نے اس کا خوب نقشہ کھینچا ہے ''ومن الناس من یشتری لھو الحدیث لیضل عن سبیل اللّٰہ'' اسی غرض سے مشرکین نے ڈھول باجوں اور موسیقیوں کو ہتھیار بنا کر کلام اللہ کا مقابلہ کرنے کی بے جا سعی و کوشش کی لیکن انہیں اس بار بھی منہ کی کھانی پڑی۔

جب ہر تدبیر کو ناکامی پہ گامزن دیکھا تو مجبور ہو کر کفار نے مذاکرات اور مصالحت کا راستہ اختیار کیا، اور نعرہ یہ تھا کہ پیغمبر علیہ السلام اپنے مشن میں لچک پیدا کریں تاکہ ہمارے لیے بھی گنجائش نکل آئے، جس کی قرآنِ حکیم نے بھی نشاندہی کی ہے کہ ''ودّوا لو تدھن فیدھنون''۔

اور مذاکرات میں شرائطِ صلح بھی کیا ہی عجیب تھیں کہ ''لا الٰہ ''تو کہیں مگر ''الا اللّٰہ '' سے اجتناب کیا جائے، اور عبادت میں بھی کمپرومائیز کر لیتے ہیں کہ کبھی آپ ہمارے بتوں کی عبادت کر لیا کرنا کبھی ہم آپ کے خدا کے سامنے جھک جایا کریں گے۔مگر فوراً ہی ''سورۃ الکافرون'' کی شکل میں حکمِ الٰہی نازل ہوا کہ اے پیغمبرِ کائنات! زبانِ نبوت سے اعلان کر دیجیے کہ تم مانو نہ مانو میں تو اب ڈنکے کی چوٹ پر توحیدِ الٰہی اور تبلیغ اسلام کا پرچار کروں گا۔

جب کفار یہاں سے بھی مایوس ہو گئے تو اپنے رویّے میں نرمی کی رمق پیدا کر کہ یہ پیشکش کی کہ ''ائت بقرآن غیر ھٰذا او بدلہ ''اگر اور کچھ نہیں تو اس کے علاوہ کوئی اور قرآن لاؤ یا اس میں ردوبدل کر دو،لیکن پیغمبر علیہ السلام نے بحکمِ الٰہی دوٹوک جواب دیا کہ ''قل ما یکون لی ان ابدلہ من تلقآء نفسی ''نہ تو اس فرقان کتاب کے علاوہ اب کوئی کتاب لائی جا سکتی ہے نہ ہی اس میں ردّوبدل کا مجھے کوئی حق ہے،عدمِ تحریف وتبدّل کی علت یہ ہے کہ ''ان اتبع الا ما یوحٰی الیّ ''میں تو صرف فرمانِ الٰہی کا پابند ہوں۔

محسنِ کائنات نے طائف کا سفر بھی اس غرض سے کیا کہ شاید ان کے پتھر دل موم ہو جائیں،مگر ان سنگ دلوں نے پتھروں ہی کی بارش سے پیغمبر علیہ السلام کو لہولہان کیا۔لیکن دعوتِ دین کا تسلسل بدستور جاری رہا۔

کفار کی ہٹ دھرمی نے آخر کار　آقائے نامدار اور ان کے صحابہؓ پر مظالم کا روپ دھار لیا۔تدبیروں اور چالوں کا جال بچھا کر ''دارالندوہ'' سے مشیرِ اجلاس ''شیخ نجدی''اور دیگر ممبران نے اس پر اتفاق کیا کہ ''واذ یمکر بك الذین کفروا لیثبتوك او یقتلوك او یخرجوك ویمکرون ویمکر اللّٰہ ''دعوتِ دین کے سدِ باب کا اس کے علاوہ کوئی چارہ ہی نہیں کہ پیغمبر علیہ السلام کو یا تو (العیاذ باللہ) قتل کر دیا جائے یا جلاوطن کر دیا جائے۔

کفار تو سردھڑ کی بازی لگا کر بھی شہنشاہِ انسانیت کو شہر مکہ سے نہ نکال سکتے مگر مرسِلِ پیغمبر کی تدبیر ومشیئت اسی میں مضمر تھی کہ آپ علیہ السلام ہجرت کر لیں۔

آزمائش کے ان مراحل کے تحمّل کے بعد حکمِ ہجرت سے شفیق پیغمبر کے مدنی دور کی ابتدا ہو گئی،اور دعوت کا راستہ بھی غلام بن کر قدموں میں یوں گرا کہ انصار مدینہ کے دو قبیلوں ''اوس اور خزرج'' کی مدتوں سے باہمی جھڑپ ان کو نگلتی جا رہی تھی جس کا حل نکالنے کے لیے ان کے رؤسا نے مشاورت کے بعد مصالحت کو ترجیح دی،اور ان کی عوام کا مطالبہ یہ تھا کہ ثالث فریقین کے علاوہ باہر سے کوئی ہو۔

ان کے نمائندے حج کے موسم میں مکہ آئے،اور اتفاق قسمت نے انہیں محسنِ اعظم کے دامن میں لا ڈالا۔

ان کے بارہ بزرگوں نے آقائے مدنی کے فیصلے پر باہمی مصالحت کے بعد آپ کے مبارک ہاتھوں پر بیعت اسلام کی جسے تاریخِ اسلام ''بیعتِ عقبہ اولٰی'' کے نام سے یاد کرتی ہے، اور ایک سال بعد اس بیعت کی وسعت ستر آدمیوں تک پھیل گئی۔ بعد ازاں ''یثرب'' کے باشندگان اوس وخزرج کے مسلمانوں نے پیغمبرِ اسلام سے ''ارضِ یثرب'' کو رونق بخشنے کی درخواست کی، جس پر حضرت عباس نے تڑپ کر فرمایا میرے بھتیجے کو ساتھ لے جانے کا مطلب ہے پوری عرب دنیا سے لڑائی مول لینا، اگر اس کی ہمت ہے تو لے جاؤ! انصارِ مدینہ نے جواباً تن، من، دھن، قربان کرنے کا عہد و پیمان کر کے اپنے عظیم رہنما کو ساتھ لے جا کر ''انصار الاسلام'' کا تمغہ اپنے سروں پہ سجالیا۔

اور نبیِ آخر الزماں نے مکہ میں امت کی بیل داغنے کے بعد مدینہ میں تشریف لے جا کر اسلامی ریاست کی بنیاد ڈالنے کے ساتھ ساتھ اس کی بنیادوں کو مستحکم کرنے کے لیے انصار و مہاجرین میں اخوت و یک جہتی کی مثال قائم کی اور یثرب کو مدینہ میں بدل کر سلطنتِ اسلامیہ کا دارالحکومت قرار دیا۔

لیکن وہاں جانے کے بعد بھی کفارِ مکہ کے پیٹوں کی مروڑیں کم نہیں ہوئیں تھیں جس کے نتیجے میں چھ سال کے مختصر عرصے میں بدر، احد اور خندق کی معرکہ آراء جنگیں وجود پذیر ہوئیں، جو کہ دراصل اشاعت و تبلیغِ اسلام کے ہی مراحل تھے۔ اسی کی ایک کڑی صلح حدیبیہ بھی تھی، جس کی شرائط اگرچہ بظاہر مسلمانوں کے لیے باعثِ نقصان معلوم ہوتیں تھیں لیکن درحقیقت صلح حدیبیہ ہی ''ایھا الناس '' کے دائرے میں دعوت کا ذریعہ بنی، جبکہ اس سے پہلے تو مکہ والوں سے ہی الجھاؤ رہا تھا۔

یہاں سے دعوتی میدان میں ایسی وسعت آئی کہ آپؐ کی مبارک دعوت کے مشن نے رومیوں، ایرانیوں، مصریوں، حبشیوں وغیرہ سمیت دو بڑی طاقتوں اور ان کے زیرِ اثر علاقوں کو بھی عبور کر لیا۔ اور جہاں پر میدان جہاد میں اتر کر دعوتی رکاوٹوں کا قلع قمع کر کے اسلام کی سرحدوں کو پھیلانے کے مراحل آئے تو آپ علیہ السلام نے ان سے بھی دریغ نہ کرتے ہوئے جرأت و بہادری کے جوہر دکھائے، اور پھر چشمِ فلک نے بھی وہ منظر دیکھا کہ انسانیت کے جس رہنما نے چار آدمیوں سے اسلامی دعوت کی ابتدا کی تھی اور فاران کی چوٹی سے علی الاعلان توحید کے پرچار کے جواب میں ظلم و تشدد کے پہاڑ برداشت کرتے ہوئے اور اپنے وطن کو الوداع کہہ کر بھی اپنی دعوت کا ڈنکا بجاتے رہے، تئیس سال کے بعد ان کا اسلامی و دینی انقلاب صرف قریش و عرب نہیں بلکہ دنیا کی تمام بڑی طاقتوں کو عبور کر کے ہر جگہ پرچمِ توحید و اسلام لہرا رہا تھا۔

مولانا محمد فیاض خان سواتی

وفیات

[۱] جامعۃ العلوم الاسلامیۃ بنوری ٹاؤن کراچی کے قدیم ترین استاذ حضرت مولانا عبدالرزاق لدھیانوی کچھ عرصہ علالت کے بعد گزشتہ ماہ کراچی میں انتقال کر گئے ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم گونا گوں صفاتِ جمیلہ کے حامل عالم باعمل انسان تھے، انہوں نے اپنی دینی تعلیم وتربیت کا آغاز ہمارے ہاں جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ سے کیا تھا اور جامعہ کے بالکل ابتدائی دور میں کئی سال یہاں تعلیم وتربیت حاصل کرتے رہے، حضرت والدِ ماجدؒ کے خصوصی تلامذہ اور خادمین میں سے تھے۔

ان کا ایک عبرتناک اور سبق آموز واقعہ یاد آ گیا کہ انہوں نے اپنی شادی کے موقع پر حضرت والدِ ماجدؒ سے اپنی برات کے ساتھ جانے اور نکاح پڑھانے کا اصرار کیا تو انہوں نے یہ شرط رکھ دی کہ اگر میں، آپ اور آپ کے گھرانے سے ایک اور بزرگ صرف تین افراد برات میں شریک ہوں تو میں ساتھ جاؤں گا وگرنہ نہیں جاؤں گا، مرحوم نے بطیبِ خاطر اپنی عقیدت ومحبت سے یہ شرط مان لی چنانچہ یہ تین افراد ایک تانگہ پر سوار ہو کر گوجرانوالہ کے قریب ایک گاؤں میں گئے اور نہایت ہی سادگی سے ان کی شادی ہوگئی۔

وہ اور ان کے اہل وعیال ہمارے ہاں کثرت سے آتے جاتے رہتے تھے، انہوں نے دورہ حدیث جامعۃ العلوم الاسلامیۃ بنوری ٹاؤن سے غالباً سن ۱۹۶۴ء میں کیا تھا اور پھر گزشتہ ۵۶ برس وہاں ہی تدریس فرماتے رہے، احقر کے ساتھ بھی نہایت بےتکلفی فرماتے تھے، مجھے کراچی میں ایک سفر کے دوران ان کے گھر بھی جانا ہوا تھا، کچھ ماہ پہلے میری والدہ ماجدہؒ کی تعزیت کے لئے وہ بھی ہمارے ہاں تشریف لائے تھے اور یہ ان سے آخری ملاقات ثابت ہوئی، ان کے ساتھ ہماری بہت سی دیرینہ یادیں وابستہ ہیں، ہم ان کی وفات پر ان کے تمام صاحبزادگان، اعزہ واقارب، لواحقین اور تلامذہ سے تعزیت کرتے ہیں بلکہ ان کے ساتھ غم میں برابر شریک ہیں اور دعا گو بھی ہیں کہ اللہ کریم ان کی آخرت کی جملہ منازل آسان فرمائے اور جنت الفردوس کا باسی بنائے۔ آمین یا ارحم الراحمین۔

؎ وان افتقادی واحدا بعد واحد

دلیل علیٰ ان لا یدوم خلیل

[۲]　حضرت مولانا حافظ نثار احمد الحسینی آف اٹک بھی گزشتہ ماہ قضائے الٰہی سے انتقال فرما گئے ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم ایک محقق عالم باعمل اور اوصافِ حمیدہ سے متصف انسان تھے، متعدد کتب ورسائل کے مصنف اور اکابر علماء دیوبند کے تربیت یافتہ تھے، انہوں نے دورۂ تفسیر قرآن کریم کی مکمل تعلیم ہمارے ہاں جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں حاصل کی تھی، اس ناطے وہ فقیر کو بھی گاہے بگاہے اپنی تحقیقات ارسال فرمایا کرتے تھے، اللہ کریم ان کی جملہ خدماتِ دینیہ کو شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے آخرت کی تمام منازل آسان فرمائے اور خلدِ بریں کا مکین بنائے، آمین یارب العالمین۔

[۳]　مولانا شوکت نصیر گزشتہ ماہ ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں شہید ہو گئے ہیں، مرحوم جامعہ نصرۃ العلوم میں پڑھتے رہے ہیں، ان کا ایک بیٹا ابھی جامعہ میں درجہ رابعہ میں پڑھ رہا ہے۔

[۴]　مولانا اکرم طوفانی آف سرگودھا جو نہایت دلیر، شجاع اور مجاہد ختم نبوت تھے، وہ بھی گزشتہ ماہ انتقال فرما گئے ہیں۔

☆　قارئین کرام ان تمام وفات پانے والے خواتین وحضرات کیلئے اللہ رب العزت کے حضور دعا فرمائیں کہ وہ ان کی غلطیوں کو درگزر فرما کر جنت الفردوس میں جگہ نصیب فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے، آمین۔

''سعودی عرب کی طرف سے تبلیغی جماعت کو دھشت گرد اور قبر پرست قرار دینا اور خطباتِ جمعہ میں ان کے خلاف بیان بازی کا اہتمام کرانا بجائے خود دہشت گردی، بداخلاقی اور لاعلمی ہے، ان کے اس غیر ذمہ دارانہ رویہ سے پوری دنیا کے مسلمانوں کی دل آزاری ہوئی ہے، سعودیہ کو اپنے اس رویہ مذمومہ میں فی الفور تبدیلی لانی چاہئے، یاد رہے کہ حرمین شریفین کی خدمت ہی کی وجہ سے سعودی حکومت کا مسلمانوں کے دلوں میں احترام باقی ہے، وگرنہ تو ان کی بیشتر کارروائیوں سے عالَمِ اسلام بالکل بھی مطمئن نہیں ہے، اللہ کریم ہی انہیں راہِ راست دکھائے اور مسلمانوں کو مزید انتشار وافتراق سے محفوظ رکھے۔ آمین بحرمۃ سید المرسلین۔''

(مولانا محمد فیاض خان سواتی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم --- ❁ --- مولانا محمد فیاض خان سواتی

ماہنامہ نصرۃ العلوم کی ستائیسویں جلد کا آغاز

ماہنامہ نصرۃ العلوم کا آغاز نومبر ۱۹۹۵ء میں ہوا تھا جو اللہ رب العزت کے خصوصی فضل وکرم اور آپ حضرات کی پر خلوص دعاؤں کے نتیجہ میں یہ اپنی چھبیسویں جلد مکمل کر کے ستائیسویں جلد کا آغاز کر چکا ہے اور اس کا پہلا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے، ہم تمام قارئین کرام کو ادارہ کی طرف سے مبارکباد پیش کرتے ہیں اور اللہ رب العزت کے حضور دعا گو بھی ہیں کہ وہ ہمارے جملہ دینی، دنیاوی، انفرادی اور اجتماعی حالات پر رحم فرمائے، عالمِ اسلام عموماً اور اہلیان پاکستان خصوصاً جن دگرگوں اور مصائب سے لبریز حالات سے گزر رہے ہیں ان کو صفحۂ قرطاس میں منتقل کرنا ممکن نہیں ہے، صرف اتنا عرض ہے کہ اصلاحِ حال کے عمل کا آغاز فرد سے ہوتا ہے پھر کہیں جا کر حکومت وریاست کے حالات درست ہوتے ہیں، اللہ رب العزت ہمیں انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنے جملہ حالات کو قرآن وسنت اور شریعت اسلامیہ کے مطابق درست کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

نئی جلد کے آغاز پر ہم تمام قارئین کرام ماہنامہ نصرۃ العلوم کی خدمت میں درخواست پیش کرتے ہیں کہ وہ اپنی خلوت وجلوت کی پرخلوص دعوات میں مسلمانانِ عالم کیلئے دست بدعا رہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اقوامِ عالم پر فوقیت عطا فرمائے اور پستی کی ذلت سے نکال کر بلندیوں تک پہنچائے اور ہم سب کو اپنی اصلاح کی توفیق سے بھی نوازے۔

نیز ماہنامہ نصرۃ العلوم کی پوری ورک ٹیم کے لئے بھی نیک دعاؤں کی درخواست ہے، احقر اس کی ایڈیٹنگ، ترتیب کے علاوہ وفیات، خاطرات اور شوقِ مطالعہ کے مستقل سلسلوں کو تحریر کرتا ہے اور مراسلاتِ مفسر قرآنؒ کی ترتیب وتعلیق بھی ساتھ ہے، جبکہ جامعہ کے صدر مدرس، ناظم تعلیمات، جانشین امام اہل السنۃؒ مفکر اسلام شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا علامہ زاہد الراشدی صاحب حالات وواقعات اور ایک دوسرا خطابی مضمون مستقل تحریر فرماتے ہیں، حافظ محمد حذیفہ خان سواتی کمپوزنگ اور ڈیزائننگ کے علاوہ احقر کا ایک جمعہ کا خطاب ضبط وتحریر کرتا ہے، مولانا عنایت اللہ چترالی پروف ریڈنگ، مولانا عبدالرزاق خان ڈیروی طباعت اور مولانا شعیب قیصر پسروری اس کی ترسیل کی ذمہ داری انجام دیتے ہیں۔ اللہ رب العزت ان تمام حضرات کی خدمات کو قبول فرمائے اور دنیا اور آخرت کی جملہ بھلائیاں نصیب فرمائے، آمین یارب العالمین۔